بیشک اللہ آسمانوں اور زمین کے غیب (کی باتوں) کو جانتا ہے اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔

اس لئے تمہیں چاہیئے کہ ہمیشہ ڈرتے رہو۔ ریا سے بچو جو کرو خالص اسی کے لئے کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی پابندی سے تجاوز نہ کرو اللہ کا احسان مانو کہ اس نے تمہیں ہدایت دی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان مانو کہ آپ ہی نے راہِ راست بتائی۔ اشاعتِ اسلام کے لئے طرح طرح کی مصیبتیں جھیلیں اور تمہیں خدا کے راستہ پر لگایا۔ وصلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ ق

سورۃ ۵۰ - سورۃ ق

یہ سورہ مکی ہے۔ اس میں پینتالیس (۴۵) آیتیں۔ تین سو پچہتر (۳۷۵) کلمات اور ایک ہزار (۱۴۷۷) چار سو ستہتر حروف ہیں (تفسیر نیشاپوری)

فضائل سورۃ ق

مسلم وغیرہ نے قطبہ بن مالک سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سورۃ کو نماز فجر کی پہلی رکعت میں پڑھتے تھے۔ ابی و اقد الیثی سے مروی ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عیدین میں "قاف" اور "اقتربت" پڑھتے تھے۔ اس روایت کو ہمارے امام سیدنا احمد بن حنبلؒ اور اہل سنن نے بھی بیان کیا ہے۔ امام ہشامؒ بنت حارثہ فرماتی ہیں کہ میں نے اس سورۃ کو صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے سُن کر یاد کیا ہے آپؐ جمعہ کو جب خطبہ دیتے تو اس سورہ کو منبر پر پڑھا کرتے تھے۔ اس کو ابن ابی شیبہ ابوداؤد۔ ابن ماجہ اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔

قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ۚ بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ 0-1
هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ۚ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ○ قسم ہے قرآن مجید 0-2
کی (آپ خدا کے رسول ہیں مگر وہ اس پر غور نہیں کرتے) بلکہ ان کو (سخت) حیرت ہے کہ ان کے پاس ان ہی میں سے ایک ڈرانے والا آیا۔ تو کافر کہنے لگے یہ عجیب بات ہے۔ کیا ہم جب مر جائیں اور مٹی ہو جائیں (تو اس کے بعد پھر اٹھنا ہوگا) یہ پھر آنا (یعنے حیات بعد الممات عقل سے) دور ہے۔

قٓ۔ کی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں۔ واحدی کہتے ہیں یہ حروف تہجی میں سے نہیں ہے بلکہ اس سے مراد کوہ قاف ہے جو دنیا کو محیط ہے۔ قراء کہتے ہیں کہ یہ قاف جب حرف تہجی نہیں بلکہ اسم ہے تو اس کا اعراب ظاہر کرنا واجب ہے۔ قراء اور زجاج اور بعض لوگوں نے اس کے یہ معنیٰ لئے ہیں کہ قضی الامر وقضی ما ہو کائن

یعنے بات پوری ہوگئی اور جو ہونا تھا سو ہوگیا۔ ابن عباسؓ کا قول ہے کہ یہ بھی اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے جس کی اللہ نے قسم کھائی ہے۔ قتادہؒ کہتے ہیں کہ قرآن کے ناموں میں سے یہ بھی ایک نام ہے۔ شعبی کہتے ہیں کہ یہ فاتحۃالسورۃ یعنے آغاز سورہ ہے۔ ابوبکر دراق کہتے ہیں کہ ق کے معنی قف عند امرنا ونہینا ولاتعدہما۔ یعنے اپنے سارے اعمال کا منتہیٰ ہمارے امرونہی کو قرار دو اور اس سے آگے نہ بڑھو۔ انطاکی کہتے ہیں کہ یہ قاف اس قرب کو ظاہر کرتا ہے جو خدا کا اپنے بندوں سے ہے جس کی تفصیل نحن واقرب الیہ من حبل الورید ہے۔ قرطبی کہتے ہیں کہ یہ اللہ عزوجل کے اسم کا آغاز ہے یعنے قادر۔ قاہر۔ قریب۔ قابض۔ قاضی۔ وغیرہ۔ مگر سچ تو یہ ہے کہ یہ بھی انہیں متشابہات میں سے ایک ہے جن کے معنی حضور شارع علیہ السلام نے بیان نہیں فرمائے

ق کی تفسیر میں حافظ ابن جریرؒ نے تین روایتیں بیان کی ہیں۔

(۱) منجملہ اسماء الٰہی کے یہ بھی ایک نام ہے۔

(۲) قرآن کے ناموں میں سے یہ بھی ایک نام ہے۔

(۳) یہ اس پہاڑ کا نام ہے جو زمین کو گھیرے ہوئے ہے۔

مگر حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ ق بھی ان حروف ہجا میں سے ایک حرف ہے

جو سورتوں کے اول بیان کئے گئے ہیں۔ جیسے ص۔ ن۔ الم۔ حم۔ طس۔ وغیرہ۔ مگر بعض سلف یہ کہتے ہیں کہ ق سے مراد ایک پہاڑ ہے جو ساری زمین کو گھیرے ہوئے ہے جس کا نام کوہِ قاف ہے۔ اور خدا بہتر جانتا ہی کہ یہ سب بنی اسرائیل کی ان روایتوں میں سے ہے جن کو بعض لوگوں نے اس لئے بیان کر دیا ہے کہ ان کے خیال میں جس روایت کی تصدیق و تکذیب دونوں موجود نہوں اس کا روایت کر دینا ان کے پاس جائز ہے۔ مگر میرے (یعنے حافظ ابن کثیرؒ کے) نزدیک یہ اور اسی قبیل کی روایتیں بنی اسرائیل کے بعض زندیقوں کی جھوٹی باتیں ہیں جو اس لئے تراشی گئی ہیں کہ لوگوں کو دینی امور میں التباس پیدا کیا جائے جیسے اس امت میں باوجود جلیل القدر علماء اور حفاظ کی موجودگی کے لوگوں نے جھوٹی حدیثیں گھڑیں اور افترا پردازیاں کیں۔ حالانکہ اس عہد مبارک زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا تو پھر بنی اسرائیل سے کیا توقع ہو سکتی ہے جس کو ایک عرصہ دراز گذر چکا اور ان میں حفاظ و ناقدین بھی کم ہیں اور وہ شراب خواری میں مبتلا ہو گئے۔ اور خود ان کے علماء نے بھی کلمات کی ایک جگہ سے دوسری جگہ تحریف کر دی اور اللہ کی کتابوں اور آیتوں کو بدل دیا۔ اگرچہ شارع علیہ السّلام نے ان سے روایت کو مباح قرار دیا ہے اور آپ کا ارشاد مبارک ہے کہ "حدثوعن بنی اسرائیل" یعنے

روایات بنی اسرائیل کس صورت میں قابل قبول ہیں

بنی اسرائیل سے روایت کرو۔ مگر ایسی روایتیں کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں جن کو عقل جائز رکھے۔ لیکن جو روایتیں عقلاً محال اور باطل معلوم ہوتی ہوں اور ان کے جھوٹ ہونے کا گمان غالب ہو وہ اس قبیل میں داخل نہیں۔ واللہ اعلم۔

اکثر بڑے بڑے مفسرین اور بہت سے متاخرین نے بھی اہلِ کتاب کی حکایتوں کو قرآنِ مجید کی تفسیر میں لکھدیا ہے۔ حالانکہ ان آیات کے سمجھنے کے لئے خدا کے فضل سے ان کی ضرورت ہی نہ تھی۔ حیرت ہے کہ امام ابو محمد عبد الرحمن ابن ابی حاتم رازیؒ نے بھی یہاں ایک غریب اثر کو بیان کیا ہے جو منقطع ہے اور اس کی سند ابن عباس تک صحیح نہیں بلکہ علی ابن ابی طلحہ نے ابن عباسؓ سے قٓ کی تفسیر میں یہ روایت کی ہے کہ قٓ اللہ عزوجل کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ اور مجاہدؒ سے ثابت ہوا ہیکہ یہ حروف ہجا میں سے ایک حرف ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ص۔ ن۔ طس۔ الم۔ اور اسی طرح کے دوسرے مقطعات یہ روایت اس سے بہت دور ہے جو ابن عباسؓ کی طرف منسوب کرکے بیان کی جاتی ہے۔

قرآن مجید کی قسموں کا بیان

وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ۔ قسم ہے قرآنِ مجید کی۔ قرآنِ حکیم میں اس کے علاوہ اور مختلف مقامات پر مختلف چیزوں کی قسمیں مذکور ہیں۔ جو لوگ عربی زبان کی فصاحت و بلاغت اور اس کے اسلوب بیان سے ناواقف ہیں یہ اعتراض کرتے ہیں کہ خدا کو بھلا

قسم کھانے کی کیا ضرورت ہے حالانکہ کوئی دعویٰ یا خبر جب کسی کے سامنے بیان کی جاتی ہے تو اس کے متعلق مخاطب کی تین حالتیں ہوں گی یا تو وہ اس سے خالی الذہن ہو گا یا اس کے متعلق متردد ہو گا یا اس کا منکر ہو گا جیسے کسی کو یہ بتانا ہے کہ زید عالم ہے۔ اب اگر مخاطب کا ذہن اس کے متعلق پہلے سے خالی ہے تو اس کو صرف یہ کہا جائے گا کہ زیدٌ عالمٌ کہ زید عالم ہے۔ اور اگر مخاطب کو زید کے علم کی نسبت تردد ہے تو اس سے یوں کہا جائے گا کہ ان زیدً عالم یعنے بے شک زید عالم ہے۔ اور اگر مخاطب کو زید کے عالم ہونے سے انکار ہے تو اس صورت میں کلام موکد بالقسم ہو گا یعنے یوں کہا جائے گا واللہ زیدٌ عالمٌ خدا کی قسم زید عالم ہے کیونکہ کلام بلیغ میں اقتضائے حال کی رعایت ضروری ہے۔ دوسرے دعویٰ کے ثبوت کے بھی دو ہی طریقے ہیں گواہ یا قسم۔ قرآنِ مجید میں جن امور کی بشارت دی گئی ہے یا جن چیزوں سے ڈرایا گیا ہے ان کے ثبوت کے لئے اس حکیم مطلق نے بھی یہی دو طریقے اختیار کئے ہیں۔ کہیں مناظر و مظاہر قدرت کی شہادت پیش کی گئی ہے جو زبانِ حال سے اس خلاق عالم کے کمال حکمت و قدرت کی گواہی دیتے ہیں اور کہیں اس مالکِ حقیقی نے قسم سے اپنی حجت تمام کی ہے۔ اگر مخاطب ضد و عناد سے کام نہ لے اور ٹھنڈے دِل سے اس چیز پر نظر ڈالے جس کی قسم کھائی گئی ہے تو

اس کا ضمیر خود اس کی تصدیق کرے گا جیسے یہاں قرآنِ مجید کی قسم کھائی گئی ہے اور جواب قسم یعنے آپ خدا کے رسول ہیں محذوف ہے' اگر کوئی شخص قرآنِ مجید کو عربی اور اس کی بلاغت کے قواعد پیشِ نظر رکھ کر ٹھنڈے دل سے پڑھے تو اس کا اعجاز اس طرح ظاہر ہوگا جس طرح روز روشن میں آفتاب دکھائی دیتا ہے۔ اور ایک حق گو کی طرح وہ بھی پکار اُٹھے گا کہ "ماھذا کلام البشر" پھر یہ کلام الٰہی جس پر نازل ہوا اس کے رسول ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ جس پر خدا کا کلام نازل ہو اور وہ مخلوق کی ہدایت کے لئے خدا کی طرف سے مبعوث ہو بس وہی خدا کا سچا رسول ہے۔ اس کے بعد کفار مکہ کی دو باتیں بیان کی گئی ہیں بَلْ عَجِبُوٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ۔ بلکہ اُن کو سخت حیرت ہے کہ ان کے پاس انہیں میں سے ایک ڈرانے والا آیا تو کافر کہنے لگے یہ عجیب بات ہے کیا ہم جب مرجائیں اور مٹی ہوجائیں تو اس کے بعد پھر جی اٹھنا اور خدا کے سامنے جانا ہوگا ؟ یہ بات عقل سے دُور ہے۔ جن سے ظاہر ہے کہ انہوں نے نہ صرف انکار کیا بلکہ شدت انکار اس حد تک پہونچ گئی کہ ان کو ان دو باتوں پر تعجب ہوتا ہے

(۱) ایک تو انہیں میں سے رسول کا مبعوث ہونا اور ان کو آخرت کے عذاب سے

ڈرانا یعنے رسول کا انسان ہونا۔

(۲) دوسرے مرنے کے بعد پھر زندہ ہو کر خدا کے سامنے اپنے عقاید و اعمال کی جواب دہی اور جزا و سزاء آخرت کا پانا یعنے حیات بعد الموت بھی ان کی سمجھ میں نہیں آتی۔

اصل آیات کی تفسیر سے پہلے ان دونوں باتوں پر ایک اجمالی اور سرسری نظر ڈال لیں تو آئندہ تفسیر سمجھنے میں سہولت ہو گی۔ کیونکہ یہ دونوں باتیں مذہب کے اساسی امور میں سے ہیں۔ مگر دوسری بات پہلے سمجھ لیں تو پہلی بات آسانی سے سمجھ میں آجائے گی۔ لیکن حیات بعد الموت کے سمجھنے کے لئے پہلے ہم کو حیات پر غور کرنا چاہیے کہ حیات کیا چیز ہے۔ نفس یا روح کے بدن سے متعلق ہو جانے کو حیات کہتے ہیں اور اور اس تعلق کے انقطاع کا نام موت ہے۔ مگر انقطاع تعلق سے نفس یا روح کا فنا ہو جانا تو لازم نہیں آتا۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو سب میں مشترک ہے جس پر تقریباً تمام مذاہب متفق ہیں۔ فلاسفہ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ نفس ناطقہ بدن انسانی سے متعلق ہو کر ادراک اور بدن میں تصرف و تدبر کرتا ہے جزئیات کا ادراک حواس کے ذریعہ اور کلیات کا بلا واسطہ حواس کے۔ اور بدن سے انقطاع تعلق کے بعد بھی نفس باقی رہتا اور یہ بلحاظ علم و عمل لذت و الم پاتا ہے اس مسئلہ کو حل کرنے کا آسان ترین

طریقہ وجدان ہے۔ یعنے ہر شخص چند خاص خاص چیزوں کی اضافت اپنی طرف
کرتا ہے جیسے میری کتاب۔ میرا گھر۔ میری بی بی۔ میرے بچے یا کم از کم میرا جسم
کہتا ہے اور اس "جسم" میں سر کے بال سے لیکر پاؤں کے ناخن تک تمام اعضاء
اور اجزاء داخل ہوتے ہیں اور یہ اضافت درست اور ایک ناقابل تردید حقیقت ہے۔
یہ اضافت یہیں ختم نہیں ہو جاتی بلکہ یہی شخص جب مرجاتا ہے تو نہ صرف دوسری چیزیں
بلکہ اس کے مردہ جسم کو بھی اس کی طرف منسوب کرکے اس کی نعش یا میت کہا جاتا ہے۔
اب سوال یہ ہے کہ یہ "میں" کیا چیز ہے جس کی طرف یہ اضافت ہو رہی ہے۔ کیونکہ
صحت اضافت کے لئے مضاف اور مضاف الیہ میں ایک گونہ تغایر ضروری ہے۔ پس
اگر اس "میں" پر غور کرو تو وجدان ہی گواہی دے گا اور خود بخود یہ حقیقت بے نقاب
ہو جائے گی کہ یہ "میں" اس حیات دنیوی کی قید سے پہلے بھی کہیں موجود تھا اور
اس قید حیات سے چھوٹنے کے بعد بھی کہیں موجود ہے۔ خصوصاً ارباب طریقت
طالب صادق کے لئے تصفیہ قلب کے بعد عبادت فکری کی ابتدا اگر اس نقطہ سے
شروع کریں اور خدا کا فضل شامل حال ہو تو اس تعین کے پردے میں سے اطلاق
کی جھلک نظر آئے گی اور اس مقید کا ادراک و انکشاف شہود مطلق کا ذریعہ اور وسیلہ
ثابت ہوگا۔ اور اہل نظر کے اس کلیہ کی کہ "کوئی مقید بغیر مطلق کے نہیں پایا جاتا"

ایسی تصدیق حاصل ہوگی جس کو کوئی اور دلیل متزلزل نہ کر سکے مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ۔ اسی کو ایک عارف کامل اپنے خاص انداز میں اس طرح بیان فرماتے ہیں

وطن اتنی سمجھ بھی گر کسی کو ہو تو کافی ہے
کدھر سے ہیں کدھر آیا کدھر اب مجھکو جانا ہے

آمدم برسر مطلب۔ وجدان کے علاوہ تمام اہل مذاہب اور فلاسفہ سب کا اتفاق ہے کہ انسان روح اور جسم کے مجموعہ کا نام ہے۔ اور مرنے کے بعد بھی روح باقی رہتی ہے البتہ مذہب جس کو روح کہتا ہے فلاسفہ اس کو نفس ناطقہ سے تعبیر کرتے ہیں جب اس جسم سے علیحدہ ہونے کے بعد بھی روح باقی رہتی ہے تو پھر جسم کے گل جانے اور خاک ہو جانے سے نفس یا روح کے وجود کو کیا نقصان پہونچ سکتا ہے۔

رہا جسم تو وہ بھی محض معدوم نہیں ہو جاتا بلکہ اس کی شکلیں بدلتی جاتی ہیں جس طرح لکڑی جلتی ہے تو کوئلہ ہو جاتی ہے اور کوئلہ جل کر راکھ بن جاتا ہے مگر ان سب صورتوں میں لکڑی فنا نہیں ہوئی بلکہ اس کی شکلیں بدلتی گئیں۔ اسی طرح جسم بھی اگر ایک صورت سے دوسری صورت بدلتا جائے تو اس سے اجسام کا اعادہ ناممکن یا عجیب کیونکر ہوا۔ جس خدا نے اس جسم کو اس وقت پیدا کیا جبکہ یہ کچھ بھی نہ تھا تو اس ذات پاک کے لئے پھر اسی جسم کو دوبارہ لوٹانے اور پیدا کرنے میں

کونسا امر مانع ہے۔ اس کے لئے صرف علم و قدرت کی ضرورت ہے لہٰذا وہ اپنے علم اور قدرت سے جب چاہے اور جس حالت وصورت میں چاہے دوبارہ موجود کردے گا۔ اس واسطے قرآن حکیم میں جب اس قسم کے سوالات بیان کئے جاتے ہیں تو وہاں جواباً انہیں دونوں باتوں پر توجہ دلائی جاتی ہے۔ حضرت قبلہؒ نے بھی سورہ یٰسین کی آخری آیات کی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے کہ اس کے لئے علم وقدرت کی ضرورت ہے۔ مگر کفار مکہ خدا کے علم و قدرت پر غور کرنے کے بجائے اپنے آپ پر نظر کرتے ہیں چونکہ ان کا علم اور قدرت اس سے عاجز ہے اس لئے وہ سمجھتے ہیں کہ یہ ناممکن ہے مگر یہ طریقۂ فکر ہی سراسر غلط ہے کیونکہ ایک جاہل اگر خود لکھ پڑھ نہیں سکتا تو اس کو کسی عالم کی تصنیف سے انکار کرنے کا حق نہیں پیدا ہو جاتا۔ ایک کمزور انسان اگر قوت کا کوئی کام نہیں کر سکتا تو اس کو ایک شہزور کے کارناموں سے انکار کرنے کا حق نہیں حاصل ہو جاتا۔

لہٰذا جو شخص اپنے علم وعقل کی حد تک کائنات پر ایک سرسری نظر ڈالے اور غور کرے تو اس کو خدا کے وجود اور اس کے علم و قدرت کے متعلق شک و شبہ ہونے کی بجائے خود کفار مکہ کی اس بے عقلی پر حیرت ہوگی کہ اتنی صاف اور سیدھی بات بھی ان کی سمجھ میں نہیں آئی۔ اور اس پر حیران ہوئے کہ خاک اور مٹی

ہوجائیں گے تو پھر زندہ کیسے ہوں گے حالانکہ جب کچھ بھی نہ تھے اس وقت اس نے پیدا کیا تھا تو پھر اس کے بعد بھی وہ پیدا کرسکتا ہے اور اگر وہ پہلے ایسا کرچکا ہے اور یقیناً ایسا کرچکا ہے تو وہ آئندہ بھی ایسا کرسکتا ہے یہ کوئی چیستان نہیں ہے بلکہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے۔

صاحب روح البیان لکھتے ہیں کہ وہ موت کے بعد جی اٹھنے کا انکار کرتے ہیں حالانکہ ان کا مشاہدہ ہے کہ اکثر کائنات میں یہی عمل جاری ہے کہ ایک چیز جاتی ہے تو اس کا پھر اعادہ بھی ہوتا ہے زمین کا اپنی موت بعد زندہ ہونا نباتات درختوں اور پھلوں کا نکالنا یہ سب چیزیں ان کے مشاہدہ میں آتی ہیں پھر ان کو مرنے کے بعد جی اُٹھنے پر کیسے تعجب ہوتا ہے۔

جو جواہر اور ذرات عدم سے وجود میں آتے ہیں ان کے اعیان معدوم نہیں ہوتے بلکہ ان کی شہودی اور برزخی صورتیں بدلتی جاتی ہیں۔ اور اس اختلاف صور کا سبب وہ مزاج یعنے اعراض ہیں جو ان اعیان کو عارض ہوتے ہیں۔ یہ سب اسی عزیز و علیم کی قدرت کے کرشمے ہیں۔ لہٰذا ان صورتوں میں قبول ارواح کی صلاحیت پیدا ہوجاتی ہے جیسے گھاس میں آگ یعنے اشتعال قبول کرنے کی استعداد ہے اسی طرح صور برزخی ان چراغوں کے مانند ہیں جو ارواح سے روشن ہوتے ہیں لہٰذا

اسرافیل کے ایک نفخ کا اثر ان برزخی صورتوں تک پہونچے گا تو ان کو بجھادے گا اور دوسرے نفخ کا اثر جو پہلے نفخ کے بعد ہی ہوگا ان میں روشن ہونے کی صلاحیت پیدا کردے گا۔ اور یہی نشاۃ ثانیہ ہے لہٰذا یہ اپنے اپنے ارواح سے روشن ہوکر کھڑے ہوجائیں گے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے نبیؐ امین کے طفیل میں ہم کو اس روز امن سے اُٹھائے۔ (روح البیان)

دوسری چیز فلاسفہ اور اہلِ مذاہب میں مشترک یہ ہے کہ علم اور عمل کا اثر روح پر پڑتا ہے۔ اور اسی لحاظ سے جزاء و سزاء بھی ہوتی ہے گو ثواب و عذاب کی حقیقت میں اختلاف ہے کوئی جزاء و سزاء روحانی کا قائل ہے کوئی تناسخ کا۔ بہر حال روح یا نفس کا باقی رہنا اور محتاج نجات ہونا سب کا مسلّمہ ہے۔

پھر یہ اختلاف ہے کہ نجات حاصل بھی ہوسکتی ہے یا نہیں بعض لوگوں کا یہ اعتقاد ہے کہ نجات حاصل ہی نہیں ہوسکتی بلکہ نجات کے لئے کفارہ کی ضرورت ہے یعنے گناہ گاروں کی نجات کے لئے ایک معصوم و بے گناہ ہستی کو زبردستی قتل کردیا گیا اور اس بے گناہ کے قتل کو گناہ گاروں کی نجات کا کفارہ بنادیا گیا۔ یہ ایک ایسی بات ہے جس کو کوئی عقلِ سلیم قبول نہیں کرسکتی اور نہ کوئی انصاف اس کو گوارہ کرسکتا ہے۔ اس لئے اگر اس سے قطع نظر کرلیا جائے تو نجات کا راستہ معلوم کرنے کے عقلاً

صرف حسب ذیل طریقے ہو سکتے ہیں۔

(۱) ہر انسان اپنی کوشش سے نجات کا راستہ معلوم کر لے۔ لیکن ہر انسان اگر اس کمال تک پہونچ سکتا تو شاید دنیا کے ہر علم و فن میں فرق مراتب بلکہ بدی کا وجود ہی نہ ہوتا جب یہ صورت بھی ناقابلِ قبول ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہی نکلا کہ

(۲) نجات کا راستہ خدا ہی کی طرف سے بتایا جاتا ہے جس کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں۔

(۱) خدا خود مرتبہ الوہیت سے اس عالم ناسوت میں تنزل فرمائے اور وہ غیر محدود ہستی مادی شکل و صورت میں جلوہ گر ہو کر اپنے اقوال و ارشاد سے اور اپنے افعال و کردار سے اپنی مخلوق کی ہدایت کرے مگر کیا ایسی چلتی پھرتی۔ کھاتی پیتی اور سوتی جاگتی ہستی کو خدا ماننے کے لئے کوئی فطرت سلیم اور عقل صحیح تیار ہے؟

(۲) خدا اپنی مخلوق میں سے کسی نوری یا ناری مخلوق یعنے کسی فرشتہ یا جن کو انسان کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمادے۔ یا کسی بڑے طاقت ور اور گرانڈیل جانور کو جیسے ہاتھی کھڑا ہو کر چنگھاڑنے لگے یا کوئی خوفناک درندہ جیسے شیر ڈھارنے لگے کہ ہم خدا کی طرف سے تمہاری ہدایت کے لئے مامور ہیں اگر تم ٹھیک راستہ پر نہ چلوگے تو ہم تمہیں کچل ڈالیں گے یا تمہارے پرزے اڑادیں گے۔

منطقی گہرائیوں میں جانے کی ضرورت نہیں صرف اپنی فطری سمجھ اور عقل عام ہی سے

کام لو تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ سب باتیں ناقابلِ قبول ہیں کیونکہ ہادی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ خود اپنی تعلیم کا عملی نمونہ بھی ہو۔ اور یہ اس کی صداقت کا ایک خاص نشان ہے۔ لہٰذا جو ہماری جنس سے نہیں خواہ وہ کوئی فرشتہ ہو یا جن۔ کوئی ہیبتناک جانور ہو یا خوفناک درندہ بہرصورت وہ ہمارے لئے صحیح نمونہ عمل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہماری فطری صلاحیتوں کا صحیح اندازہ یا تو خدا ہی کر سکتا ہے جو ہمارا خالق و رب ہے اور جس نے ہم میں یہ صلاحیتیں ودیعت رکھی ہیں اور ہم کو ان کا امین بنایا ہے یا پھر ایک انسان ہی ان صلاحیتوں کا صحیح اندازہ کر سکتا ہے لہٰذا ہمارے لئے صحیح نمونہ عمل وہی ہو سکتا ہے جو خود ہماری ہی جنس اور ہماری ہی نوع کا ایک فرد کامل ہو۔ اب عقلِ سلیم کے آگے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ۔

(۴) انسان کی ہدایت کے لئے انسان ہی بھیجا جانا چاہیئے۔

اگر انسان ضد و عناد سے اپنے دل کو خالی کر لے اور عقلِ سلیم سے کام لے تو یہ دونوں نہایت صاف اور کھلی ہوئی حقیقتیں ہیں کہ مرنے کے بعد بھی روح باقی رہتی ہے اور یہ ساری کائنات اُس خلّاقِ عالم نے اپنی قدرت اور حکمت سے پیدا کی ہے۔ اور انسان جو بظاہر ایک کمزور اور مجبور ہستی دکھائی دیتا ہے اس میں ایسی ایسی صلاحیتیں ودیعت رکھی ہیں جن کی بدولت یہ اس کائنات میں اپنے علم و عقل اور قدرت کے

لحاظ سے تصرف کرتا اور ان سے فائدہ اٹھاتا ہے مگر اس تصرف کے وقت اس کو یہ بھی پیشِ نظر رکھنا چاہیئے کہ وہ اس کائنات بلکہ خود اپنی ذات کا بھی حقیقی مالک نہیں ہے بلکہ مالک حقیقی کے آگے وہ محض ایک امانت دار اور ان تصرفات کا ذمہ دار و جواب دہ ہے جس کے لئے اس مالکِ حقیقی نے اپنے کرم و عنایت سے اپنے برگزیدہ بندے اور رسولؑ کے ذریعہ ایک مکمل قانون بھی بھیجا ہے تاکہ وہ جو کچھ کرے اس کی روشنی میں کرے۔ کیونکہ عقل و خرد کی نعمت سے سرفراز ہونے کے بعد انسان ایک ذمہ دارانہ حیثیت اور خدا کی طرف سے بلند ترین مرتبہ کا مالک ہے بس یہی قانون "شریعت" اور "ہدایت" ہے۔ اور یہ قانون لانے والا انسان خدا کا برگزیدہ بندہ اور رسولؑ ہے جو خود بھی اس قانون پر عمل کرتا اور دوسروں کو بھی اس کی ہدایت کرتا ہے۔ لہٰذا جس طرح حضرت آدم علیہ السّلام سے حضرت عیسٰی علیہ السلام تک خدا کے تمام نبی اور رسول انسان تھے اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی خدا کے آخری رسول اور انسان کامل ہیں اور قرآن مجید خدا کی آخری کتاب ہے۔ اب جو شخص اس کو تسلیم اور اس پر عمل کرے وہ دنیا و آخرت دونوں میں سرخ رو اور با آبرو ہوگا اور جو اس سے روگردانی کرے اس کی حیات دنیوی اکارت اور آخرت میں ندامت ہوگی۔ لہٰذا رسولؑ کا انسان ہونا۔ مرنے کے بعد زندہ ہونا یہ دونوں قابلِ تعجب نہیں

بلکہ صاف اور کھلی ہوئی باتیں ہیں۔ البتہ جو عقلیں ایسی صاف اور کھلی ہوئی باتوں پر حیرت کرتی ہیں خود وہ عقلیں قابلِ حیرت ہیں بشرطیکہ ان کو عقل کہنا درست سمجھا جائے۔

کفارِ مکہ کی پہلی بات کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق رسالت فرما دینے کے بعد ان کی دوسری بات کے جواب میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے۔

قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْأَرْضُ مِنْهُمْ وَعِنْدَنَا كِتَابٌ حَفِيظٌ ○ بَلْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ آیت ۴ تا ۱۱
لَمَّا جَاءَهُمْ فَهُمْ فِي أَمْرٍ مَرِيجٍ ○ أَفَلَمْ يَنْظُرُوا إِلَى السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ
بَنَيْنَاهَا وَزَيَّنَّاهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوجٍ ○ وَالْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ
وَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ○ تَبْصِرَةً وَذِكْرَىٰ لِكُلِّ عَبْدٍ مُنِيبٍ ○ وَ
نَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُبَارَكًا فَأَنْبَتْنَا بِهِ جَنَّاتٍ وَحَبَّ الْحَصِيدِ ⑪ وَالنَّخْلَ
بَاسِقَاتٍ لَهَا طَلْعٌ نَضِيدٌ ○ رِزْقًا لِلْعِبَادِ وَأَحْيَيْنَا بِهِ بَلْدَةً مَيْتًا كَذَٰلِكَ
الْخُرُوجُ ○

زمین ان (اجسام) میں سے جتنا گھٹاتی ہے ہم اس سے بخوبی واقف ہیں۔ اور ہمارے پاس یہ ایک کتاب میں محفوظ ہے۔ جب ان کے پاس (دین) حق آیا تو (انہوں نے اس کو قبول نہیں کیا) بلکہ اس کو جھٹلایا۔ اور وہ ایک الجھی ہوئی بات میں (پھنسے ہوئے) ہیں۔ کیا انہوں نے اپنے اوپر آسمان کو نہیں دیکھا کہ ہم نے اس کو کیسا بنایا اور اس کو کیسی زینت دی اور اس میں کوئی شگاف نہیں ہے۔ اور

زمین کو ہم نے پھیلا دیا اور اس میں ہم نے پہاڑ رکھ دئے اور اس میں ہر قسم کی رونق دار
چیزیں اگائیں (یہ مظاہر قدرت) راہ نمائی اور سمجھانے کے لئے ہیں ہر اس بندہ
کے لئے (جو ہماری طرف) رجوع کرنے والا ہے اور آسمان سے ہم نے مبارک پانی
اتارا اور پھر اس (پانی) سے ہم نے باغ اور دانوں کو اگایا جو کھیتوں سے کاٹے
جاتے ہیں۔ اور کھجور کے بلند درخت (پیدا کئے) جن کے میوے تہ برتہ ہوتے ہیں (یہ
سب) بندوں کو روزی دینے کے لئے اور اس (پانی) سے ہم نے ایک مردہ شہر کو
زندہ کیا۔ بس اسی طرح (قیامت میں قبروں سے) نکلنا (بھی) ہے۔

قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ۔ بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا
جَآءَهُمْ فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ۔

کفار مکہ کو دوسری حیرت اس پر تھی کہ ہم مٹی ہو جانے کے بعد کس طرح پھر زندہ ہو کر اٹھیں گے
اس کے جواب میں اللہ تبارک وتعالیٰ پہلے اپنا کمال علمی ظاہر فرماتا ہے کہ زمین نے ان کے
جن اجزاء کو کھا لیا ہے اور جو بظاہر تمہیں مٹی دکھائی دیرہے ہیں ہم ان کو بھی اچھی طرح
جانتے ہیں کہ وہ کس کس صورت میں کہاں کہاں ہیں اور ہمارے پاس وہ سب ایک کتاب
میں محفوظ ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ۔ مجاہد۔ قتادہ۔ ضحاک وغیرہ فرماتے ہیں کہ ان (اجزاء) سے

مراد گوشت پوست ہڈی وغیرہ ہیں۔ اس کے بعد کفار مکہ کی ذہنی حالت کو بیان فرمایا ہے کہ فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ جس کی تفسیر میں حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ یہ حال ہر اس شخص کا ہے جو حق سے خارج ہوگیا۔ اس کے بعد وہ جو کچھ کہے وہ باطل ہی ہوگا۔

صاحب روح البیان اس کی یہ تفسیر کرتے ہیں کہ وہ ایک ایسی اضطرابی حالت میں ہیں جس کو قرار نہیں۔ یعنے ان کی عقلوں اور حس پر وہم و خیال غالب آگئے ہیں اور یہ ایسے چھا گئے ہیں کہ ان کو حق سجھائی نہیں دیتا۔ اس واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی شاعر کبھی ساحر۔ کبھی کاہن کہتے ہیں اور وہ کسی ایک بات پر قائم نہیں اور قرآن کے متعلق بھی ان کی یہی اضطرابی حالت ہے۔ اور یہی اضطرابی حالت بطلان کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ جس طرح ثبات و خلوص موجب اتفاق اور حقیقت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ ہر انسان میں قدرت نے قبولِ حق کی صلاحیت رکھی ہے اور یہی اس کی فطرت ہے جس کے متعلق حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ "مامن مولود الا یولد علی الفطرۃ الحدیث۔ یعنے ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اگر یہودی ہیں تو اس کو یہودی اور نصرانی ہیں تو اس کو نصرانی اور مجوسی ہیں تو اس کو مجوسی بناتے ہیں الخ۔ اسی طرح یہ کفار مکہ بھی قدرت کے اس عطیہ سے محروم نہیں اور سب کی طرح

؎ مشکوٰۃ شریف بحوالہ بخاری ومسلم صفحہ (۲۱) مطبوعہ مجتبائی۔

وہ بھی فطرت ہی پر پیدا ہوئے ہیں مگر ان کی فطرت فطرت سلیم نہ رہی یعنے ان کی قبولِ حق کی صلاحیت ہوائے نفسانی وشیطانی سے الجھ گئی ہے اور وہ ایک ایسی متزلزل اور الجھی ہوئی حالت میں پھنس گئے ہیں کہ جب ان کے سامنے حق یعنے سچا دین پیش ہوا تو انہوں نے اس کو قبول کرنے کی بجائے اس کی تکذیب کر دی۔ اس کے بعد ان کی فاسد ذہنیت اور اس کے بدترین نتیجہ کا بیان ہے۔ پھر ان کے سامنے اپنی قدرت کاملہ کی نشانیاں پیش فرماتا ہے کہ ان پر نظر کرو اور اس غور وفکر سے اپنی گندہ ذہنیت کا علاج کرو اور ابد الآباد کی تباہی سے بچو ورنہ اگر اسی ضد وعناد اور انکار وجہالت کی حالت میں مرجاؤ گے تو تمہاری آخرت تباہ وبرباد ہو جائے گی اور اس وقت پچھتانے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ اب بھی وقت ہے اس کو غنیمت سمجھو اور دیکھو کہ ہم نے تمہارے اوپر اتنے بڑے آسمان کو بغیر ستون کے کس طرح کھڑا کر دیا اور اس کو کواکب اور ستاروں سے کیسی زینت دی اور اتنے بڑے آسمان میں کوئی شگاف نہیں اور یہ زمین جس پر تم رہتے سہتے اور چلتے پھرتے ہو کس طرح پھیلا دی اور اس میں پہاڑ نصب کر دئے اور زمین سے رونق دار چیزیں اگائیں۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں زوج بھیج سے تمام اقسام کی زراعت۔ پھل اور نباتات اور ان کی سب انواع مراد ہیں۔ اور بھیج کے معنی حسن المنظر یعنے خوشنما کے ہیں قرآنِ حکیم میں انکار معاد کے

جواب میں ہمیشہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے مظاہر قدرت کو بیان فرمایا ہے
کہ ان پر غور کرنے کے بعد عقل سلیم خود بول اٹھیگی کہ خدا یہ کر سکتا ہے یا نہیں
کر سکتا۔ کہیں ارشاد ہوتا ہے کہ۔ اَوَلَمْ یَرَوْا ان اللہ الذی خَلَقَ السّمٰوات
وَالْاَرض قادر علی ان یخلق مثلھُمْ یعنے کیا وہ نہیں دیکھتے کہ جس خدا نے زمین
آسمان کو پیدا کیا وہ ان کے مثل کو بھی پیدا کرنے پر قادر ہے۔ اَوَلیس الّذی
خلق السّمٰوات والارض بقادرٍ علےٰ ان یخلق مثلھم بلیٰ وھو الخلّٰق العلیم۔ کیا
جس نے زمین وآسمان پیدا کیئے وہ ان کے مثل کے پیدا کرنے کی قدرت نہیں رکھتا
کیوں نہیں وہ بہت پیدا کرنے والا اور بڑا جاننے والا ہے۔ اَوَلَمْ یَرَوْا ان اللہ
الذی خلق السمٰوت وَالارض ولم یعیَ بخلقھن بقٰدرٍ علےٰ ان یحیَ الموتیٰ بلیٰ انہ علیٰ
کُلِّ شیئٍ قدیر۔ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ اللہ جس نے زمین وآسمان کو پیدا کیا اور انکی
پیدائش سے وہ عاجز نہیں ہوا کیا وہ خدا مردہ کے زندہ کرنے پر قادر نہیں۔ کیوں
نہیں وہ ہر چیز کی قدرت رکھتا ہے۔ لخلق السمٰوت والارض اکبر من خلق النّاس
زمین وآسمان کا پیدا کرنا انسانوں کے پیدا کرنے سے بھی بڑی بات ہے۔ ان سب
آیتوں میں منکرین معاد کو مظاہر قدرت پر غور کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ مگر خیال
رہے کہ یہ حق کی پکار اسی شخص کو فائدہ پہونچا سکتی ہے جو سمع قبول رکھتا ہو۔ یعنے

جس کے ضمیر میں کچھ بھی جان باقی ہو اور جس کی آنکھوں پر ہوا و ہوس کے پردے نہ پڑ گئے ہوں جس کے کان آواز حق سننے کے لئے بہرے نہیں ہو گئے جس کے دل پر ضد و عناد کی وجہ سے خدائی مہر نہ لگ گئی ہو۔ اور وہ دل جس میں ذرا سی بھی طلب حق باقی ہے اس کے لئے۔ ہاں یہ مظاہرِ قدرت اسی کی راہ نمائی کے واسطے اور اسی کے سمجھانے کے واسطے ہیں۔ کیونکہ وہی عبد منیب ہے یعنے وہ ایسا بندہ ہے جو اس دنیا میں پھنسکر بھی ہوا و ہوس اور نفس و شیطان کی گرفت سے چھوٹ کر خدا کی طرف رجوع کرنے والا ہے۔

منکرین معاد کے سامنے پہلے پانچ مظاہر قدرت بیان کئے گئے کہ وہ ان کو نظر عبرت سے دیکھیں۔

۱ آسمان۔ ۲ زینتِ آسمان۔ ۳ زمین۔ ۴ پہاڑ۔ ۵ نباتات کی پیدائش

یعنے کائنات علوی اور کائنات سفلی دونوں کے مظاہر پیش کرنے کے بعد اب چھٹا امر کائنات جو یعنے فضاء سے متعلق یہ بیان فرماتا ہے کہ ہم نے مبارک پانی برسایا۔ کیونکہ پانی ابر سے برستا ہے اور ابر کائنات جو سے متعلق ہے پھر اس پانی کو مبارک پانی کہا اور اس کے اثرات یہ بیان فرمائے کہ اس سے باغ اور کھیت سرسبز ہوتے ہیں یہ مظاہر قدرت کا ساتواں امر ہے اور اسی پانی سے

کھجور کے بلند بلند درخت پیدا ہوتے ہیں۔ پھولتے اور پھلتے ہیں جن پر تہ بر تہ میوے لگے ہوئے ہیں جو آٹھواں امر ہے۔

اب اس حکمت کا بیان ہے کہ اس مبارک پانی کا برسانا اور اس سے باغ۔ کھیت اور کھجور کے درختوں کو پیدا کرنا ہے یہ سب بندوں کو رزق دینے کے لئے ہے۔

اس کے بعد ایک مردہ شہر کی ایسی مثال پیش فرمائی گئی ہے جو بالکل بدیہی اور ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کیونکہ منکرین معاد کی نظر و فکر تبر کے تاریک گڑھے اور اس کی خاک میں پھنس کر رہ گئی تھی۔ لہٰذا ان کو ہدایت دی جارہی ہے کہ وہ اس تنگ نظری اور کوتاہ اندیشی سے کام لینے کی بجائے اپنے سر اٹھائیں اور قدرت کی ان بڑی بڑی اور کھلی ہوئی نشانیوں کو دیکھ کر خدا کی قدرت کا اندازہ کریں اور اسکی نعمتوں کا شکر ادا کریں۔

اس کے بعد اگلی امتوں کے منکرین اور ان کے انجام کا بیان ہے جس سے اپنے حبیبؐ پاک کو تسلی دینا اور منکرین کو عبرت دلانا ہے۔

آیت ۱۲ تا ۱۴
كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّأَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُودُ وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَإِخْوَانُ
لُوطٍ ۝ وَّأَصْحٰبُ الْأَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ۚ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيدِ ۝

15 أَفَعَيِينَا بِالْخَلْقِ الْأَوَّلِ بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ ۝
16 وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ وَنَحْنُ أَقْرَبُ
17 إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ۝ إِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيَانِ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ
18 قَعِيدٌ ۝ مَا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ۝

ان سے پہلے (معاذ) جھٹلا چکے ہیں نوح کی قوم اور کنوئیں والے اور ثمود و عاد اور فرعون اور لوط کے بھائی اور بن کے رہنے والے، اور قوم تبع (ان) سب نے پیغمبروں کو جھٹلایا تو ہماری وعید پوری ہو کر رہی۔ کیا ہم پہلی بار پیدا کر کے عاجز ہو گئے (نہیں) بلکہ ان کو نئی پیدائش کی نسبت شبہ ہے بے شک ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اس کے جی میں جو وسوسے پیدا ہوتے ہیں ہم ان کو (بھی) جانتے ہیں اور ہم اس (انسان) سے اس کی رگ جان سے (بھی) زیادہ نزدیک ہیں۔ جب دونوں (لکھ) لینے والے ہم نشین (فرشتے لکھ) لیتے ہیں سیدھی اور بائیں (جانب) سے نہیں لاتا وہ زبان پر کوئی کلمہ مگر اس کے پاس ایک نگران کار تیار ہے۔

یعنے اگلی امتوں کے ان سرکشوں نے اپنے رسولوں کو جھٹلایا تو اللہ تعالیٰ کی وعید پوری ہو کر رہی اور وہ اس دنیا ہی میں تباہ و برباد ہو گئے

اور ان پر عذاب آخرت بھی علیحدہ ہوگا۔ اب جو لوگ اس کے خاتم النبیین پر
ایمان نہ لائیں اور ان کی تکذیب کریں تو ان کو اگلی امتوں کے انجام سے
درس عبرت لینا چاہئے۔ کیونکہ رحمت للعالمین کے طفیل میں خدا نے
اگلی امتوں کی طرح اگر اس امت پر اس دنیا ہی میں عذاب نازل نہ
فرمایا تو آخرت کا عذاب یقینی ہے جس سے بچنے کا کوئی حیلہ نہیں
حشر و نشر یعنے قیامت کا یقین دلانے کے لئے فرماتا ہے۔ جس طرح
اللہ تعالیٰ نے سب کو پہلی بار پیدا کیا تھا اب دوبارہ بھی پیدا کریگا
پہلی دفعہ پیدا کرنے سے اس کی قدرت ختم نہیں ہوگئی اس لئے کہ جو
خدا ایک دفعہ پیدا کرسکتا ہے وہ ہر وقت پیدا کرسکتا ہے اپنی قدرت تخلیق کو
جملۂ خبریہ کی صورت میں نہیں بیان فرمایا بلکہ جملہ انشائیہ کی صورت
میں ظاہر فرمایا یعنے منکرین معاد سے خدا یہہ سوال فرماتا ہے کہ کیا ہم پہلی
آفرینش سے عاجز ہوگئے اور لفظ "عیّ" کے اصل معنی کلام میں عاجز ہونیکے
ہیں اور یہاں اس لفظ کی خصوصیت یہہ ہے کہ خدا جب کسی کو پیدا کرنا
چاہتا ہے تو اس کو کسی ساز و سامان اور آلات و اوزار کی احتیاج نہیں
ہوتی بلکہ وہ حکم دیتا ہے اور وہ چیز پیدا ہو جاتی ہے جیسے ارشاد ہے کہ

اِنَّمَآ اَمْرُہٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ۔ اور یہ حکم چونکہ خود کلام ہے اس لئے فرمایا کہ جیسے پہلے خدا اپنے حکم سے پیدا کرچکا ہے دوبارہ بھی پیدا کرے گا اب بھی وہ حکم دینے سے عاجز نہیں۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے انسان کو پیدا کیا اور نہ صرف اس کے اعمال و افعال کو بلکہ اس کے جی میں جو وسوسے پیدا ہوتے ہیں ہم ان کو بھی جانتے ہیں۔ ہم اس کی رگ جان سے بھی زیادہ نزدیک ہیں۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ انسان کو اپنی قدرت کی خبر دیتا ہے کہ وہ انسان کا پیدا کرنے والا ہے اور اس کا علم انسان کے تمام امور پر حاوی ہے یہاں تک کہ بنی آدم کے جی کے اندر جو اچھے اور برے وسوسے پیدا ہوتے ہیں وہ ان سے بھی باخبر ہے۔ مگر صحیح بخاری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہہ حدیث ثابت شدہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کے وساوس سے درگزر فرمادیا ہے۔ جب تک وہ زبان پر یا عمل میں نہ آئیں لیتے تا وقتیکہ ان سے کوئی قولی یا فعلی خطا سرزد نہ ہو

باز پرس نہ ہوگی۔ نحن اقرب الیہ من حبل الورید[1] کی تفسیر میں حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اس سے مراد یہہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے انسان کی رگ جان سے زیادہ قریب ہیں۔ اور جس نے اسکی تاویل علم سے کی ہے یعنے قرب علمی مراد لیا ہے۔ اس نے محض اسلئے گریز کیا ہے تاکہ حلول یا اتحاد لازم نہ آئے اور یہ دونوں چیزیں حلول واتحاد باجماع خدا سے منفی ہیں اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک اور برتر ہے۔ خود لفظ بھی اس کا مقتضی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہہ نہیں فرمایا کہ انا اقرب الیہ من حبل الورید بلکہ اس کا ارشاد صرف یہہ ہے کہ نحن اقرب الیہ من حبل الورید۔ ہم اس کی رگ جان سے زیادہ نزدیک ہیں۔ جیسے محتضر کے متعلق فرمایا کہ ونحن اقرب الیہ منکم ولٰکن لا تبصرون یعنے ہم تم سے زیادہ اس (محتضر) کے نزدیک ہیں مگر تم نہیں دیکھتے اس سے مراد فرشتے ہیں۔ اور اللہ تبارک و

[1] رگِ گردن مراد ہے جسے شہ رگ کہتے ہیں اور جس کے کٹنے کے بعد انسانی زندگی ختم ہوجاتی ہے۔ غالباً یہہ کنایہ ہے جان وروح سے۔
بعض حضرات صوفیائے نے یہہ فرمایا کہ "حق تعالیٰ اندر سے نزدیک ہے اور رگِ آخر جان سے باہر ہے" ؎ جان نہاں در جسم و او جاں نہاں ؏ اے نہاں اندر نہاں اے جانِ جاں ۱۲

تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون"
فالملئکۃ نزلت بالذکر وھو القرآن باذن اللہ عزوجل کذلک
الملئکۃ اقرب الی الانسان من حبل ورید ہ الیہ باقدار اللہ
جل وعلا لہم علی ذالک۔

ہم نے ذکر کو اتارا اور ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں" مگر
فرشتے ذکر لیکر اترے یعنے اللہ عزوجل کے حکم سے قرآن لیکر نازل
ہوے۔ اسی طرح فرشتے انسان سے اس کی رگ جان سے بھی زیادہ
نزدیک ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کی قدرت دی ہے یعنے
انسان پر فرشتے کا بھی کچھ اثر ہے جیسے شیطان کا کچھ اثر ہے اسیطرح
شیطان ابن آدم میں اس کے خون کی طرح جاری وساری ہے
جیسے صادق ومصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے پس اسی
طرح اللہ تعالیٰ نے یہاں بھی بیان فرمایا کہ اذ یتلقی المتلقیان یعنی
یعنے دونوں لکھنے والے لکھ لیتے ہیں یعنے وہ دونوں فرشتے جو
انسان کے عمل کو سیدھے اور بائیں جانب بیٹھے ہوے لکھتے رہتے
ہیں۔ ابن آدم جو کلمہ اپنی زبان سے ادا کرتا ہے اس کے پاس

ایک نگہبان تیار رہتا ہے جو اس کو لکھتا ہے اور اس سے کوئی کلمہ اور کوئی حرکت نہیں ترک ہوتی جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وان علیکم لحافظین کراماً کاتبین یعلمون ما تفعلون۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں فرشتہ ہر بات لکھ لیتا ہے۔ حسنؒ و قتادہؒ بھی یہی کہتے ہیں اور بعض کا قول ہے کہ فرشتہ صرف اسی کلمہ کو لکھتا ہے جس میں ثواب و عذاب ہو۔ اور یہہ حضرت ابن عباسؓ کے دو قولوں میں سے ایک قول ہے مگر آیت سے پہلی بات ظاہر ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد عام ہے ما یلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید۔ ہمارے امام سیدنا احمد بن حنبلؒ نے ابن معاویہ سے بروایت الحارث المزنیؓ یہہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص کوئی ایسی بات کہہ دیتا ہے جو خدا کی پسندیدہ ہوتی ہے مگر اس کو یہہ خیال بھی نہیں ہوتا کہ وہ کہاں تک پہونچ جائے گی اور وہ بات اللہ تک پہنچ جاتی ہے اور اللہ اس پر اپنی خوشنودی لکھتا ہے یہاں تک کہ وہ خدا سے ملتا ہے اور ایک شخص کوئی ایسا کلمہ اپنے منہ سے نکالتا ہے جو خدا کی ناراضی کا موجب ہوتا ہے اس کو یہہ یاد بھی نہیں رہتا کہ اسکی

یہہ بات کہاں تک پہونچے گی مگر خدا اس بات پر اپنی ناراضی لکھتا ہے
یہانتک کہ وہ بندہ اس سے جا ملتا ہے۔ علقمہ فرمایا کرتے تھے کتنی
باتیں ہیں جن کے بولنے سے مجھ کو بلال بن حارث کی حدیث نے روکدیا
ہے اس حدیث کو ترمذی۔ نسائی اور ابن ماجہ نے محمد بن عمرو کی حدیث
سے روایت کی ہے اور ترمذی نے اس کو صحیح حدیث کہا ہے۔ اور
صحیح بخاری میں بھی اس کے شاہد موجود ہیں۔

احنف بن قیس کہتے ہیں کہ سیدھی جانب کا فرشتہ نیکی لکھتا
ہے اور یہہ بائیں جانب کے فرشتہ پر امین ہے لہذا اگر بندہ سے
کوئی خطا سرزد ہوتی ہے تو وہ بائیں جانب کے فرشتے سے کہتا ہے
کہ رک جا اگر بندہ خدا سے مغفرت طلب کرتا ہے تو وہ اس کو
لکھنے سے منع کر دیتا ہے اور اگر بندہ مغفرت سے انکار کرتا ہے
تو وہ اس کی برائی لکھدیتا ہے۔ اس حدیث کو ابن ابی حاتم نے
روایت کیا ہے۔ حضرت حسن بصریؒ اس آیت یعنے عن الیمین و
عن الشمال قعید کی تلاوت کرکے فرماتے ہیں کہ اے ابن آدم تیرے
لئے صحیفہ یعنے کتاب کھلی ہوئی ہے اور تیرے پر دو بزرگ فرشتے مقرر

کردئے گئے ہیں ان میں سے ایک تیری سیدھی طرف اور دوسرا تیری بائیں طرف ہے جو تیری سیدھی جانب ہے وہ تیری نیکیاں محفوظ کرتا ہے۔ اور جو تیری بائیں جانب ہے وہ تیری برائیاں محفوظ کرتا رہتا ہے تو جو چاہے کر کم یا زیادہ یہانتک کہ جب تو مر جائے گا تو تیرا صحیفہ لپیٹ دیا جائے گا اور اس کو تیری گردن میں ڈال کر تیری قبر میں تیرے ساتھ رکھدیا جائے گا۔ حتیٰ کہ تو قیامت کے دن قبر سے نکلیگا۔ اُس وقت خدائے تعالیٰ فرمائے گا۔ "وکل انسان الزمنٰہ طٰٓئرہ فی عنقہٖ ونخرج لہ یوم القیٰمۃ کتٰباً یلقٰہ منشوراہ اقرأ کتٰبک کفیٰ بنفسک الیوم علیک حسیباً" ہ ثم یقول عدل واللہ فیک من جعلک حسیب نفسک (تفسیر ابن کثیر جلد نہم صفحہ ۲۹۷، ۲۹۸ مطبوعہ مصری)

ابن المنذر اور ابو الشیخ نے حجاج بن دینار سے یہہ روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے کہا میں نے ابی معشر سے دریافت کیا کہ ایک شخص اپنے دل ہی دل میں خدا کی یاد (یعنے ذکر قلبی) کرے تو اس کو فرشتے کس طرح لکھینگے (یعنی فرشتوں کو اس کی کس طرح خبر ہوگی اور وہ کیونکر لکھیں گے)

تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ لیتے فرشتے اس کی ہوا پا لینگے (تفسیر
درمنثور جلد ششم صفحہ (۱۰۳) مطبوعہ مصر)

۱۹ آیت وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذَٰلِكَ مَا كُنتَ مِنْهُ تَحِيدُ ۝ 0-19
پ ۳۰ آیت وَنُفِخَ فِي الصُّورِ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيدِ ۝ وَجَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ 0-20
مَّعَهَا سَائِقٌ وَشَهِيدٌ ۝ لَقَدْ كُنتَ فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هَٰذَا 0-21
سورہ ق فَكَشَفْنَا عَنكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ ۝ وَقَالَ 0-22
(۵۰) سورہ قَرِينُهُ هَٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيدٌ ۝ أَلْقِيَا فِي جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيدٍ 0-23
مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيبٍ ۝ الَّذِي جَعَلَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا 0-24 0-25
آخَرَ فَأَلْقِيَاهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيدِ ۝ قَالَ قَرِينُهُ رَبَّنَا 0-26
مَا أَطْغَيْتُهُ وَلَٰكِن كَانَ فِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ ۝ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوا 0-27 0-28
لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ إِلَيْكُم بِالْوَعِيدِ ۝ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ 0-29
ع لَدَيَّ وَمَا أَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ۝ يَوْمَ نَقُولُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأْتِ 0-30
وَتَقُولُ هَلْ مِن مَّزِيدٍ ۝ اور موت کی سکرات حق کو لے کر آگئی۔

یہی وہ چیز ہے جس سے تو کترا رہا تھا اور صور پھونکا گیا۔ یہ عذاب
کے وعدہ کا دن ہے۔ اور ہر شخص (قبر سے نکلکر) آگیا (اور) اسکے

ساتھ ہانکنے والا اور گواہی دینے والا ہے۔ تو اس (دن) سے غافل
تھا۔ اب ہم نے تیرا پردہ ہٹا دیا اس لئے آج تیری نگاہ تیز ہے اور
اس کے ساتھ والے (فرشتہ) نے کہا کہ یہہ جو میرے پاس تھا حاضر
ہے (ہم کہیں گے کہ اے) دونوں (فرشتو) عناد کرنے والے کافر
کو دوزخ میں ڈال دو نیکی سے منع کرنے والے حد سے بڑھ جانے
والے (اور) شک کرنے والے کو جس نے خدا کے ساتھ دوسرا معبود
مقرر کر لیا تھا (ان میں سے ہر ایک کو) سخت عذاب میں ڈال دو
(پھر) اس کے ساتھی (شیطان) نے کہا کہ اے ہمارے پروردگار
میں نے اس کو گمراہ نہیں کیا لیکن وہ (خود) گمراہی میں دور تک نکل
گیا تھا۔ (اللہ نے فرمایا) کہ میرے پاس تم جھگڑا مت کرو حالانکہ
اس سے پیشتر تمہارے پاس میں نے عذاب کا وعدہ بھیجا تھا میرے
پاس بات نہیں بدلتی اور نہ میں بندوں پر ظلم کرنے والا ہوں اس دن

ہم دوزخ سے کہینگے کیا تو بھر گئی اور وہ کہیگی کیا کچھ اور ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جب کفار مکہ کے بعث و جزا کو بعید سمجھنے کا ذکر فرمایا۔
اور اپنے علم و قدرت کی تحقیق سے ان کے شبہ کو زائل کرتے ہوئے

انسان جب مصیبت

یہہ بھی بیان فرمادیا کہ بندوں کے تمام اعمال واقوال محفوظ اور نامہ اعمال میں درج ہوتے ہیں جن کا قیامت میں حساب وکتاب ہوگا تو اب اس کے بعد مطلق انسان کو مخاطب کرکے موت وحشر کے واقعات بیان فرماتا ہے۔ اور چونکہ یہہ باتیں بہت جلد اور یقینی پیش آنے والی ہیں اس لئے ان کو بصیغہ ماضی بیان فرماتا ہے۔ اور اس کی ابتدا سکرات کے ذکر سے فرمائی کیونکہ سکرات' موت کی چوکھٹ ہے اور موت قبر کا زینہ اور قبر آخرت کی پہلی منزل ہے کیونکہ انسان جب موت کی چوکھٹ پر پہونچ جاتا ہے تو بڑے بڑے سرکشوں کے کس بل نکل جاتے ہیں۔ قوت وطاقت۔ مال ودولت۔ حکومت وسلطنت۔ علم وحکمت یہہ سب دنیوی نعمتیں بیکار رہ جاتی ہیں۔ ہوا وہوس اور نفس وشیطان کے پھندوں میں پھنس کر ان جن امور آخرت کا انکار کرتا رہا اس وقت ان پر سے پردہ اٹھ جاتا ہے اور یہہ حقیقت اپنی خوفناک صورت میں ظاہر ہوجاتی ہے کہ سیدھا راستہ وہی ہے جو اللہ کے برگزیدہ بندے یعنے انبیا علیہم السلام نے بتایا تھا اور اب جس عالم سے سابقہ ہے وہاں صرف ایمان وعمل صالح کا سکہ چلتا ہے۔

وَجَآءَتۡ سَكۡرَةُ الۡمَوۡتِ بِالۡحَقِّ ؕ بیضاوی کہتے ہیں کہ سکرات موت سے مراد وہ شدت یعنے سختی ہے جو عقل کو گم کر دیتی ہے اور بالحق میں باء تعدیہ کے لئے ہے جس کا مطلب یہہ ہے کہ موت کی سکرات نے حقیقت امر کو سامنے پیش کر دیا۔ یا موعود حق یا اُس حق کو پیش کر دیا۔ جس کا تعلق موت سے ہونا چاہئے یا جزا کو سامنے پیش کر دیا۔ (تفسیر بیضاوی)

الحاصل انسان کی پوری زندگی میں سب سے نازک یہی وقت ہے اور انسان اس وقت جتنا مجبور و بے بس ہوتا ہے اپنی تمام عمر میں کبھی نہیں ہوتا۔

ایک پادری صاحب نے انگریزی میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام "محمڈن ورلڈ ٹوڈے" یعنے موجودہ دنیائے اسلام ہے کتاب کا اصل مقصد تو یہہ ہو کہ عام مسلمانوں کی ان کے مذہب سے ناواقفیت اور افلاس سے فائدہ اٹھا کر ان کو عیسائی بنانے کی کوشش کیجائے۔

مگر پادری صاحب اپنا مطلب صاف الفاظ میں نہیں ادا کرتے بلکہ ہمدردانہ و مشفقانہ لہجہ میں بنی نوع انسان کی خیر خواہی

اور خیر اندیشی کے انداز میں اپنی کتاب اس طرح شروع فرماتے ہیں کہ میں نے مصر وغیرہ مختلف بلاد اسلامیہ کا سفر کیا اور مسلمانوں سے میل جول پیدا کر کے ان کی خانگی زندگی کا بھی مشاہدہ کیا۔ اور میں نے دیکھا کہ ان میں روحانیت کی تلاش و جستجو ہے مگر اسلام میں چونکہ روحانیت کی تشفی بخش تعلیم نہیں ہے اس لئے ان کی روحیں بے چین ہیں۔ اپنے اس دعویٰ کے ثبوت میں انہوں نے بعض اکابر اسلام کے آخری الفاظ نقل کئے ہیں۔ جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے آخری الفاظ یہہ تھے۔ اور حضرت عمر رضؓ کے آخری الفاظ یہہ تھے وغیرہ وغیرہ۔ گویا ان الفاظ کو روحانیت یعنے صداقت مذہب کا معیار قرار دیا ہے۔

ہم پادری صاحب کے اس معیار کو تھوڑی دیر کیلئے تسلیم کر لیتے ہیں مگر اس پر صرف اتنا اضافہ کر دیتے ہیں کہ بجائے متبعین کے خود متبوعین یعنے پیروان مذہب کی بجائے اگر بانیانِ مذاہب کو اس معیار پر جانچا جائے تو انسب و اولیٰ ہے۔ اس نقطہ نظر سے حضرت عیسیٰؑ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری حالات و آخری الفاظ پر نظر ڈالنا ہوگا کہ موت کی اطلاع ہونیکے بعد ان دونوں نے موت کا

استقبال کس طرح کیا اور ان کے آخری الفاظ کیا تھے۔
فقیر پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اپنے عقیدہ کی وضاحت
کر دینا بھی ضروری سمجھتا ہے تاکہ کسی قسم کی غلط فہمی نہ پیدا ہو سکے۔
ہم مسلمان حضرت عیسیٰؑ کی موت اور صلیب دونوں کے قائل نہیں
بلکہ ہمارا اعتقاد ہے کہ وہ خدا کے جلیل القدر نبی و رسول ہیں۔ اور اسی
کی قدرت سے آسمان پر زندہ اٹھا لئے گئے اور ان کا مثیل۔ ظل
بروز۔ پرتو نہیں آئے گا بلکہ خود وہی عیسیٰ علیہ السلام
جو حضرت مریم علیہا السلام کے بطن مبارک سے بغیر باپ کے پیدا
ہوئے تھے۔ ہاں وہی عیسیٰ بن مریم علیہما السلام پھر اس دنیا میں
نازل ہونگے اور شریعت محمدیؐ کی پیروی کرینگے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص۴۷۹
باب نزول عیسیٰ علیہ السلام) نیز موجودہ انجیل ہمارے عقیدہ کے
مطابق وہ انجیل نہیں ہے جو حضرت عیسیٰؑ پر نازل ہوئی تھی اور نہ
پہلی آسمانی کتابوں میں سے کوئی اور کتاب اپنی اصلی حالت میں موجود ہے۔
مگر پیروان مسیحؑ چونکہ ان کتابوں (یعنے عہد نامہ قدیم و عہد نامہ جدید) کو
معتبر سمجھتے ہیں اس لئے ان کے مسلمات کی حیثیت سے اگر انجیل مقدس

ان کے سامنے پیش ہو تو یقیناً ان کو تو تامل نہ ہونا چاہیئے اس لئے موجودہ دنیائے اسلام" کے مولف کے مقرر کردہ معیار پر جانچنے کے لئے یہہ دیکھنا ہوگا کہ حضرت عیسٰی مسیحؑ کی اس دنیا میں آخری رات کیسی گزری اور اس دنیا سے جاتے وقت ان کے آخری الفاظ کیا تھے۔ پہلے اس کو نقل کرنیکے بعد کتب احادیث سے انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری حالات و آخری الفاظ نقل کئے جاتے ہیں اور اس خاص معیار پر اسلام و عیسائیت کو جانچنے کے بعد جو نتیجہ نکل سکتا ہے اس کا تصفیہ خود تمہارے ہی ضمیر پر چھوڑتے ہیں۔

اُس وقت یسوع نے ان سے کہا کہ تم سب اسی رات میری بابت ٹھوکر کھاؤگے کیونکہ لکھا ہے کہ میں چرواہے کو ماروں گا اور گلے کی بھیڑیں پراگندہ ہوجائیں گی لیکن میں اپنے جی اٹھنے کے بعد تم سے پہلے گلیل کو جاؤں گا" (انجیل متی باب ۲۶، ۳۱، ۳۲)

اُس وقت یسوع نے ان کے ساتھ گتسمنے نام ایک جگہ میں آیا اور اپنے شاگردوں سے کہا کہ یہیں بیٹھے رہنا جب تک کہ میں وہاں جاکر دعا مانگوں اور پطرس اور زبدی کے دونوں بیٹوں کو ساتھ لے کر غمگین اور

بے قرار ہونے لگا۔ اس وقت اس (یعنے یسوع) نے اُن سے کہا میری
جان نہایت غمگین ہے۔ یہاں تک کہ مرنے کی نوبت پہونچ گئی ہے
تم یہاں ٹھیرو اور میرے ساتھ جاگتے رہو۔ پھر تھوڑا آگے بڑھا اور
منہ کے بل گر کر یہہ دعا مانگی اے میرے باپ اگر ہو سکے تو یہہ پیالہ
تجھ سے ٹل جائے تاہم جیسا میں چاہتا ہوں ویسا نہیں بلکہ جیسا
تو چاہتا ہے ویسا ہی ہو۔ پھر شاگردوں کے پاس آکر انہیں سوتے
پایا اور پطرس سے کہا کیوں تم میرے ساتھ ایک گھڑی بھی نہ جاگ سکے
جاگو اور دعا مانگو تاکہ آزمائش میں نہ پڑو۔ روح تو مستعد ہے مگر جسم
کمزور ہے۔ پھر دوبارہ اس نے جاکر یہہ دعا مانگی۔
اے میرے باپ اگر یہہ میرے پیئے بغیر نہیں ٹل سکتا تو تیری مرضی
پوری ہو۔ اور آکر پھر انہیں سوتے پایا کیونکہ ان کی آنکھیں نیند سے
بھری ہوئی تھیں اور انہیں چھوڑ کر پھر چلا گیا۔ اور وہی بات پھر کہکر
تیسری بار دعا مانگی۔ تب شاگردوں کے پاس آکر ان سے کہا اب
سوتے رہو اور آرام کرو۔ دیکھو وقت آپہونچا ہے۔ اور ابن آدم
گنہگاروں کے ہاتھ میں حوالے کیا جاتا ہے۔ (انجیل متی باب ۲۶ و ۳۷ تا ۴۵)

خیال رہے کہ حضرت مسیحؑ کو کوئی جسمانی تکلیف یا دکھ بیماری نہ تھی بلکہ یہہ بتا دیا گیا تھا کہ اب دنیا چھوڑنے کا وقت آ گیا اور یہہ یہہ واقعات پیش آنے والے ہیں۔ مگر یہہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ معاذاللہ معاذاللہ۔ بیٹا باپ کے سامنے جانے سے کتنا خوف زدہ اور پریشان ہے۔ اور ساتھیوں پر بھی حیرت ہوتی ہے کہ نزاکت وقت اور اپنے نبیؑ کی محبت اور ان کی مفارقت کا ان پر کچھ بھی اثر نہیں بلکہ باوجود تاکید کے وہ نہایت بے فکری اور آرام سے خواب راحت کے مزے لیتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت مسیحؑ کی گرفتاری کے واقعات۔ پطرس کا انکار۔ سردار کاہن اس کے ساتھی اور ادمیوں کے برتاؤ اور صلیب پر چڑھائے جانے کی تفصیل ہے جس کو بخوف طوالت نظر انداز کر کے صرف یہاں دو فقرے درج کئے جاتے ہیں۔

"اور دوپہر سے لے کر تیسرے پہر تک تمام ملک میں اندھیرا چھایا رہا اور تیسرے پہر کے قریب یسوع نے بڑی آواز سے چلا کر کہا۔ ایلی ایلی لما شبقتنی۔ یعنے اے میرے خدا اے میرے خدا تو نے مجھے

کیوں چھوڑ دیا" (انجیل متی باب ۲۷ ف (۴۵، ۴۶)

انجیل مقدس اور متی کی روایت کے بموجب حضرت مسیحؑ کے لبِ یہی آخری الفاظ ہیں۔ اب اس کے مقابلہ میں یہہ دیکھئے کہ خدا اپنے ایک بیمار بندے کو یہہ اختیار دیتا ہے کہ وہ چاہے ابھی اور اس دنیا میں رہے چاہے خدا کے پاس چلا جائے تو وہ اپنے اس اختیار سے کیا فائدہ اٹھاتا ہے۔

رفیقِ اعلیٰ کی طرف سید الانبیاء کا سفر

حضرت ابو سعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ممبر پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا کہ "خدا نے ایک بندہ کو یہہ اختیار دیا ہے کہ اگر وہ چاہے تو دنیا کی بھلائی اور خوبی کو لے یا خدا کے پاس جو ہے اُس کو اختیار کرے۔ اس بندہ نے اس چیز کو اختیار کیا جو خدا کے پاس ہے" کسی نے اس تقریر کا اصل مطلب نہ سمجھا مگر حضرت ابوبکرؓ جو یارِ غار اور مزاج شناس تھے حقیقت کو پا گئے اور رو کر عرض کیا کہ ہم اور ہمارے ماں باپ آپ پر سے فدا ہو جائیں الحدیث (مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ بخاری ومسلم صفحہ ۵۴۶ مطبوعہ مجتبائی)

اس کے بعد مرض کی شدت بڑھ جاتی ہے چلنے پھرنے یا باہر

نکلنے کی سکت نہیں رہتی اور وہ نازک وقت آجاتا ہے جس کو سکرات موت کہتے ہیں اور آزمائش کی سب سے کٹھن گھڑی آپہونچتی ہے جس کا مقابلہ کس شان سے ہوتا ہے اس کو بھی غور سے پڑھئے۔

وجاءت سکرۃ الموت کی تفسیر میں ابن ابی شیبہ۔ بخاری۔ ترمذی نسائی۔ ابن ماجہ۔ حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ بوقت وصال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پانی کا ایک برتن تھا۔ آپ اپنے دونوں دست مبارک اس میں داخل فرماتے اور ان سے اپنے روئے مبارک پر مسح فرماتے جاتے تھے۔ اور زبان مبارک سے یہہ فرماتے لا الہ الا اللہ ان للموت سکرات (درمنثور جلد ششم صفحہ ۱۰۵)

حاکم نے قاسم بن محمدؒ سے یہہ روایت نقل کی اور اس روایت کو صحیح کہا ہے کہ آپ (یعنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہہ آیت تلاوت فرمائی۔ وجاءت سکرۃ الموت بالحق۔ دوسری روایت حضرت بی بی عائشہؓ سے یہہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بوقت وصال ایک پانی کا برتن تھا جس میں آپ اپنا دست مبارک ڈبوکر اپنے روئے مبارک پر پہلے پانی سے مسح فرماتے جاتے تھے۔

اور پھر زبان مبارک سے یہ دعا فرماتے کہ اللھم اعنی علی سکرٰت الموت (تفسیر درمنثور جلد ششم صفحہ ۱۰۵)

حضرت بی بی عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ میں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ ہر نبی بیمار ہوتا ہے تو اُس کو دنیا و آخرت کے درمیان اختیار دیا جاتا ہے اس کے بعد آپ صؐ کو شدت کی کھانسی ہونے لگی اور میں نے سنا کہ آپ فرما رہے تھے۔ مع الذین انعمت علیھم من النبین والصدیقین والشھداء والصالحین ۃ یعنے ان لوگوں کے ساتھ جن پر تیرا انعام ہے نبیوں۔ صدیقوں۔ شہیدوں اور نیکوں کے ساتھ۔ تو میں سمجھ گئی کہ آپ کو (پھر) اختیار دیا گیا (متفق علیہ) مشکوٰۃ شریف صفحہ (۵۴۷)

یہاں تک تو اپنی خوشی اور رضامندی سے موت کا استقبال تھا۔ اب ام المومنین رضؓ کی زبان سے جن کے زانوئے مبارک پر بوقت وصال حضور صؐ انور کا سر مبارک تھا سنئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری الفاظ کیا تھے۔ قالت عائشہ رضؓ فکان آخر کلمۃ تکلم بھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم قولہ " اللھم الرفیق الاعلیٰ "

یعنے حضرت بی بی عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری بات
اللّٰھم الرّفیق الاعلیٰ تھی۔

ذَالِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ؕ یہہ اشارہ موت کی طرف ہے یعنے
اے انسان جس سے تو بچ اور بھاگ رہا تھا آخر وہ موت تیرے
سر پر آگئی اب وہ کسی طرح ٹل نہیں سکتی۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ؕ اس سے مراد صور اسرافیل کا دوسرا نفخ ہے
کیونکہ صور کے پہلے نفخ سے سب فنا ہو جائینگے اور دوسرے نفخ سے
سب زندہ ہو کر حساب وکتاب کے لئے خدا کے سامنے حاضر ہونگے

وَجَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَائِقٌ وَّشَهِيْدٌ ؕ اور ہر نفس خدا کے
سامنے اس حالت میں حاضر ہوگا کہ اس کے ساتھ ایک سائق ہانکنے
والا ہوگا اور ایک گواہ ہوگا جو اس کے اچھے اور برے اعمال نیوی
کی گواہی دیگا۔

لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا ؕ اے انسان تو اس سے غافل تھا
اس کے مخاطب کے متعلق اختلاف ہے اس سے مشرکین مراد ہیں
کیونکہ وہ اپنی عاقبت سے غافل تھے اور ابن زید کا خیال ہے کہ اس آیت

میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے اور غفلت سے یہہ مراد ہے کہ پہلے آپ کو اپنی رسالت کی اطلاع نہ تھی مگر اکثر مفسرین رحمہم اللہ یہہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ساری نیک و بد مخلوق ہے یعنے یہہ خطاب عام ہے۔

فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ۝ یعنے امور آخرت پر جو پردہ پڑا ہوا تھا اب ہم نے اُس کو اٹھا دیا۔ اے انسان آج تیری نظر تیز ہو گئی اور وہ سب امور تجھے صاف دکھائی دینے لگے جن کی خبر ہمارے پیغمبر دیا کرتے تھے۔

وَقَالَ قَرِيْنُهٗ هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ ۝ یعنے تیرے کاتب اعمال تیرا اعمال نامہ خدا کے سامنے پیش کر دینگے۔ اللہ اکبر۔ کیسا نازک وقت ہوگا جب یہہ مجبور و عاجز بندہ اُس رب العالمین اور احکم الحاکمین کے سامنے کھڑا ہو کر اپنے اعمال کا حساب دیگا جسکے آگے کوئی دھوکا فریب۔ لسانی کچھ کام نہ آئے گی۔ کیونکہ وہ علیم و خبیر ہمارے ظاہر و باطن سے خود واقف ہے۔ پھر اس کے سامنے ہمارا نامہ اعمال پیش ہوگا جس میں ہر نیکی و بدی خواہ لفظی ہو یا عملی لکھی ہوئی ہوگی۔ پھر خود ہمارے ہاتھ پاؤں ہمارے خلاف گواہی دیں گے

کیونکہ جس خدا نے زبان میں قوت گویائی دی ہے وہ اس روز زبانوں
پر مہر لگا دیگا اور ہمارے ہاتھ پاؤں کو قوت گویائی عطا کریگا۔
جیسے فرماتا ہے۔ الیوم نختم علیٰ افواھھم وتکلمنا ایدیھم و
تشھد ارجلھم بما کانو یکسبون ؕ اور اس کے بعد ہر انسان
اپنی چھوٹی سی چھوٹی نیکی و بدی کا نتیجہ دیکھ لے گا۔ فمن یعمل مثقال
ذرۃٍ خیراً یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃٍ شراً یرہ۔

اَلْقِیَا فِیْ جَہَنَّمَ کُلَّ کَفَّارٍ عَنِیْدٍ ۙ مَّنَّاعٍ لِّلْخَیْرِ مُعْتَدٍ مُّرِیْبٍ ۙ
اِلَّذِیْ جَعَلَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـہًا اٰخَرَ فَاَلْقِیٰہُ فِی الْعَذَابِ الشَّدِیْدِ

زجاج کہتے ہیں ان دونوں فرشتوں یعنے سائق وشہید کو جو ہر انسان پر
مقرر ہیں یہہ حکم دیا جائے گا کہ ہر کافر کو جو حق سے عناد رکھتا تھا
نیکی سے منع کیا کرتا اور شریعت کے امر و نہی کی حد سے گزر جانے والا
اور حق میں شک و شبہ کرنے والا تھا اُسے دوزخ میں ڈال دو
اور جس نے خدا کے ساتھ دوسرا معبود مقرر کیا یعنے جو شرک میں
مبتلا ہوا اُس کو بھی سخت عذاب میں ڈال دو یہہ تکرار پہلے امر کی
تاکید ہے۔ فقیر کا خیال ہے اُس کو علحدہ بیان کرنے میں شاید یہہ

حکمت ہے کہ اوپر جو دوسرے اوصاف بیان کئے گئے ان میں شرک سب سے بدتر ہے۔ کیونکہ قرآن حکیم میں شرک کو "ظلم عظیم" سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ یا بنی لا تشرک باللہ ان الشرک لظلم عظیم۔

قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ؕ یہہ جملہ مستانفہ ہے یہاں ساتھی سے مراد وہ شیطان ہے جو ہر انسان کے ساتھ لگا رہتا ہے۔ اور جس کے پھندے میں پھنس کر ایک انسان ساری عمر اس کی غلامی و اطاعت اور خدا و رسوؐل کے حکم سے نافرمانی کرتا ہے اب وہی شیطان خدا کے سامنے انکار کرتا ہے کہ میں نے اُس کو نہیں بہکایا بلکہ وہ حق سے بہت دور تھا میں نے اس کو اپنی طرف بلایا تو اس نے میری دعوت قبول کرلی۔ پرور دگار اگر یہہ تیرے مخلص بندوں میں سے ہوتا تو میں اس پر قابو نہ پا سکتا۔

قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ ؕ یہہ بھی جملہ مستانفہ ہے اور سوال مقدر کا جواب ہے یعنے اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میرے سامنے جھگڑا مت کرو کیونکہ اس سے پیشتر میں نے اپنے ہادی بھیجے اور ان کے ذریعہ نجات حاصل کرنے کا ایک قانون بھیجدیا

اور اس میں تمہیں یہہ بتا دیا گیا تھا کہ جو اس پر ایمان نہ لائے اور اس پر عمل نہ کرے اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ جب انسان کو ہم نے عقل و ہوش عطاء کیا تھا جب ہم ان کی ہدایت کے لئے وقتاً فوقتاً ہادی اور پیغمبر بھیج چکے تھے اور ان کے ذریعہ اپنی مرضی صاف صاف الفاظ میں ظاہر کر دی تھی کہ جو ہم پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے وہ جنت میں بھیجا جائے گا اور جو ایمان نہ لائے اور برے کام کرے وہ دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ اب اس کے بعد ہماری حجت تمام ہو گئی لہذا یہہ انجام تمہیں پہلے ہی بتا دیا گیا تھا مگر تم نے اس کی پروا نہ کی۔ تمہیں اب اس کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا۔

مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَا أَنَا بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ ۝ کیونکہ میری بات نہیں بدلتی اور نہ میں بندوں پر ظلم کرتا ہوں اس لئے کہ نیکی و بدی دونوں راستے تمہارے سامنے تھے اور دونوں کا انجام بھی بتا دیا گیا تھا جب تم نے دانستہ نیکی سے اعراض کیا اور بدی کے راستے کو اختیار کیا تو تمہیں اس کا لازمی نتیجہ بھی بھگتنا چاہیئے۔ یہہ ظلم نہیں بلکہ عین انصاف ہے کیوں کہ شیطان اور اس کے پیرؤں سے دوزخ کو

پرکردینے کی وعید وارد ہوچکی ہے جو بدل نہیں سکتی۔ بس اس وعید کے بموجب مستحقینِ نار کو دوزخ میں ڈال دینا ظلم نہیں بلکہ عین انصاف ہے اس کے بعد دوزخ کا بیان ہے کہ قیامت کے دن دوزخ کی کیا حالت ہوگی

يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ﴿۳۰﴾ اس روز ہم دوزخ سے پوچھیں گے کیا تو بھر گئی اور وہ اپنی وسعت اور جوق درجوق اہل نار کے یکے بعد دیگر اس میں جھونکے جانیکے باوجود پُر نہ ہوگی بلکہ اور زیادتی طلب کرے گی۔

امام رازیؒ لکھتے ہیں کہ اس میں ایک لطیف بات یہہ ہے کہ دوزخ کافروں پر غضبناک ہوکر ان کو طلب کریگی پھر اس میں دوزخ کا ایک حصہ گناہگار مومنین کے لئے خالی رہے گا دوزخ اس کی طالب ہوگی کہ یہہ جگہ بھی بھر دی جائے کیونکہ اُس کو یہہ گمان ہوگا کہ مبادا کوئی کافر باہر رہ گیا ہو۔ مگر اس خالی جگہ میں گناہگار مومن داخل ہونگے اور مومن کا ایمان دوزخ کی حرارت کو ٹھنڈا کردے گا اور ان کے ایقان سے دوزخ کے غیض وغضب کو سکون ہوجائے گا۔ اور بعض حدیثوں میں جو یہہ آیا ہے کہ دوزخ زیادتی طلب کریگی یہاں تک کہ

جبّار اس میں اپنا قدم رکھ دیگا۔ تو یہہ حدیث اسی پر محمول ہو گی۔ کیونکہ مومن غیر خدا کے حق میں جبار ومتکبر اور خدا کے سامنے متواضع ومنکسر ہوتا ہے (تفسیر کبیر جلد ہفتم صفحہ ۶۱۱)

جنت اور اہل جنت

سکرات موت حساب وکتاب اور روز قیامت کے ہولناک واقعات بیان فرمانیکے بعد اب جنت اور اہل جنت کا بیان فرماتا ہے چونکہ اس سورہ کے آغاز میں منکرین رسالت اور منکرین معاد کا بیان ہے اس لئے دوزخیوں اور دوزخ کے حال کو پہلے بیان کیا کہ کفروانکار کے نتیجہ سے باخبر ہوکر اپنی اصلاح کی طرف مائل ہوں گویا کافروں کے مقابلہ میں خدا کی طرف سے یہہ بھی ایک اتمام حجت ہے اب جنت واہل جنت کا بیان ہے یعنے موقع اور مخاطب کی مناسبت سے ترہیب کے بعد ترغیب ہے تاکہ ان پر مایوسی نہ طاری ہو بلکہ امید کے سہارے کفر ومعصیت کی تاریکی سے نکل آئیں کیونکہ ابھی وقت باقی اور توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔

۳۱ وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ۝ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ

۳۲ لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ ۝ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَآءَ

آیت ۳۱ تا ۳۷

بِقَلْبٍ مُّنِيبٍ ﴿٣٣﴾ ادْخُلُوهَا بِسَلَامٍ ۖ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُودِ ﴿٣٤﴾ لَهُم
مَّا يَشَاءُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ ﴿٣٥﴾ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم
مِّن قَرْنٍ هُمْ أَشَدُّ مِنْهُم بَطْشًا فَنَقَّبُوا فِي الْبِلَادِ هَلْ
مِن مَّحِيصٍ ﴿٣٦﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ
أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ ﴿٣٧﴾ اور جنت پرہیزگاروں کے نزدیک

کردی جائے گی دور نہ رہیگی۔ (اور ان سے کہا جائیگا کہ) یہہ ہے
(وہ) وعدہ جو تم سے کیا گیا تھا۔ (اور یہہ نعمت) ہر اس شخص کیلئے
ہے جو (خدا کی طرف) رجوع کرنے والا اور (اس کے احکام کی)
حفاظت کرنے والا ہے جو ڈرا رحمٰن سے بن دیکھے (اور اس کے
سامنے ایسا) دل لیکر آیا جو (خدا کی طرف) رجوع کرنے والا ہے
اس میں سلامتی سے داخل ہو جاؤ یہہ دن ہمیشہ رہنے کا ہے اس (جنت)
میں وہ جو چاہیں گے ان کو ملے گا۔ اور ہمارے پاس اس سے (بھی)
زیادہ ہے۔ ہم ان سے پہلے بہت سی امتوں کو ہلاک کر چکے ہیں جو
ان لوگوں سے زیادہ دست دراز تھے۔ پھر انہوں نے شہروں میں
کرید (کرید) کر دیکھا کہ آیا کوئی چھٹکارے کی جگہ (بھی) ہے۔

بے شک اس میں نصیحت ہے (مگر) اُس شخص کیلئے جو دل رکھتا ہو

یا کان لگا کر سنا اور متوجہ ہوا۔

تفسیر آیت ۳۱ وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ غَيْرَ بَعِيدٍ اور جنت پرہیزگاروں سے
نزدیک ہو جائے گی۔ دور نہ رہے گی۔ یعنے جو بندے عذاب آخرت
سے ڈرتے رہے۔ فرائض کو ادا کیا اور گناہوں سے پرہیز کیا جنت
ان کے نزدیک ہو جائے گی تاکہ اس میں داخل ہونے سے پہلے وہ
اپنے ٹھکانے کو دیکھ لیں۔ جس طرح دوزخ اہل دوزخ پر غضبناک
اور زیادتی کی طالب ہے۔ اسی طرح جنت بھی اہل جنت کی مشتاق
ہے۔ جنت کی نزدیکی سے مراد یہہ ہے کہ اہل جنت اور جنت کی
درمیانی مسافت خدا کے حکم سے لپیٹ دیجائے گی۔ جب کوئی چیز کسی
کے نزدیک ہوتی ہے تو قربت دونوں میں ہوتی ہے مگر یہاں یہہ نہیں
فرمایا کہ پرہیزگار جنت کے قریب ہو جائیں گے۔ بلکہ یہہ فرمایا کہ جنت
پرہیزگاروں کے نزدیک ہو جائے گی جس سے پرہیزگاروں کا اعزاز
و اکرام ظاہر ہوتا ہے۔ جنت تو ان کا پہلا زینہ ہے ورنہ وہاں ان کو
اور ایسی ایسی سرفرازیاں بھی ہونے والی ہیں جو ان کے حاشیہ خیال میں

نہیں آسکتیں۔

هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ یعنے دنیا میں پیغمبروں نے جن چیزوں کی بشارت دی تھی اور خدا نے اپنے پیغمبروں سے جزاء اُخروی کا جو وعدہ فرمایا تھا وہ وعدہ اب تمہارے سامنے ہے تم نے چند روزہ حیات دنیوی میں جو کچھ عمل کیا اس کا یہہ صلہ ابد الآباد کیلئے تمہیں دیا جاتا ہے

لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ ج کی تفسیر میں حافظ ابن جریر فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو معصیت سے اطاعت کی طرف رجوع کرے اور اپنے گناہوں سے توبہ کرے۔

حضرت ابن عباسؓ اور مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ اَوَّابٍ سے مراد تسبیح کہنے والا ہے۔ حکم کا قول ہے اس سے مراد وہ شخص ہے جو تنہائی میں خدا کا ذکر کرے۔ اور مجاہدؒ کا دوسرا قول یہہ ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو اپنے گناہوں کو یاد کر کے مغفرت طلب کرتا ہے۔ اور قتادہؒ کا خیال ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کا اطاعت گزار اور بہت نماز پڑھنے والا ہے مگر ابن جریر کہتے ہیں کہ اس تائب اواب کا وصف خدا نے حفیظ فرمایا ہے

اور کسی خاص طاعت کی حفاظت مختص نہیں فرمائی۔ اس لئے لفظ حفاظت کا عموم باقی رکھنا ضروری ہے۔ لہذا "حفیظ" سے مراد یہہ ہے کہ ہر وہ شخص جس نے ہر اُس فرض اور طاعت کی حفاظت کی جس سے خدا کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ اور اپنے گزشتہ گناہوں سے توبہ و استغفار کی۔

مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُّنِيبٍ ۙ اُسی کی مزید تشریح ہے کہ وہ ایمان بالغیب رکھتا تھا۔ کیونکہ نہ تو اُس نے خدا کو دیکھا تھا نہ جنت و دوزخ اس کے سامنے تھیں اور نہ اس نے ثواب وعذاب کی حقیقت کا مشاہدہ کیا تھا۔ بلکہ ان سب باتوں کا علم اس کو خدا کے پیغمبروں سے سن کر ہوا تھا۔ وہ ان پیغمبروں کو سچا سمجھتا تھا اور ان کی صداقت پر اعتبار کرتا تھا اور ان پر اس کو ایسا راسخ ایمان و اعتقاد تھا۔ جس کو کوئی انسانی اور شیطانی طاقت متزلزل نہ کر سکی۔

ایک طرف اس کو یہہ یقین تھا کہ خدا رحمٰن ہے اور رحمانیت کا تقاضہ اگرچہ وابستگی امید ہے مگر صرف اس امید ہی پر تکیہ کر کے وہ کبھی نڈر نہیں

ہوا بلکہ اس رحمانیت کے ایقان کے ساتھ ساتھ اس کے دل
میں خوف خدا بھی تھا جس کی وجہہ سے وہ خدا کے اوامر و نواہی
دونوں کو ہر وقت پیش نظر رکھتا تھا یعنے جب تک وہ دنیا میں رہا
اس کی امید و خوف دونوں خدا اور صرف خدا ہی سے وابستہ ہے
اور اب خدا کے سامنے حاضر ہوا تو ایسا دل لے کر حاضر ہوا جو خدا
کی طرف رجوع کرنے والا مخلص اطاعت گزار ہے۔ بس یہی وہ بہتر
سے بہتر نذرانہ ہے جو ایک عاجز بندہ اپنے مالک حقیقی کے آگے
پیش کر سکتا ہے یہہ ایسے بندے ہیں کہ جب تک دنیا میں رہے خدا کی
لو لگی رہی اور اب مالک کے سامنے حاضر ہیں تو بھی وہی لگن ان کے دلوں
میں موجود ہے لہذا ان کو حکم ہوگا کہ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ
اس جنت میں تم سلامتی سے داخل ہو جاؤ یہہ دن ہمیشہ رہنے کا ہے
"سلام" کے معنے میں اختلاف ہے۔ اکثر مفسرین کا خیال ہے کہ عذاب
سے محفوظ و سلامت رہ کر داخل جنت ہو جاؤ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ
اللہ اور فرشتوں کے سلام سے مشرف ہو کر جنت میں داخل ہو جاؤ
بعض کہتے ہیں کہ زوال نعمت کے کھٹکے سے سلامت رہ کر جنت میں داخل ہو

مگر حق تو یہ ہے کہ کسی ایک امر کی تحدید و تخصیص نہیں بلکہ اہل جنت کو خدا کے فضل و کرم سے یہ سب امور اس روز حاصل ہونگے انشاء اللہ المستعان۔

لَهُمْ مَّا يَشَاءُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ ○ انتہائی بلاغت کے ساتھ جنت کی تمام نعمتوں کو صرف ایک جملہ میں بیان فرمادیا کہ اہل جنت جو چاہینگے وہ اُن کو مل جائے گا۔ سبحان اللہ کیا شانِ بندہ نوازی ہے۔ جو بندے اس چند روزہ دنیا میں خدا کی مرضی ہر وقت پیش نظر رکھتے تھے۔ اپنی نفسانی و شیطانی خواہشات سے دور رہ کر احکام خدا اور رسول کی اطاعت کرتے تھے آج اس کے صلہ میں وہ مالک حقیقی ان کی ہر خواہش پوری فرمارہا ہے اور ان کی منہ مانگی مراد عطا کر رہا ہے۔ اور اس چند روزہ اطاعت کا صلہ ابدالآباد کے لئے دے رہا ہے پھر اسی پر اکتفا نہیں بلکہ ارشاد ہوتا ہے کہ ہمارے پاس اس سے بھی زیادہ ملے گا۔ اب اس زیادتی کی تفصیل سنئے صاحب روح البیانؒ فرماتے ہیں کہ وہ جنتی نعمتیں چاہیں اس سے بھی زیادہ ملے گا اور وہ اس قسم کی سرفرازیاں ہیں کہ نہ کسی کی آنکھ نے

اس کو دیکھا نہ کسی کان نے اس کو سنا اور نہ کسی انسان کے دل میں اس کا خطرہ آیا۔ "لدینا مزید" کی تفسیر میں حضرت انس رضؓ سے مروی ہے کہ یتجلی لھم الرب عز و جل یعنے اہل جنت پر اللہ عز و جل کی تجلی ہوگی (تفسیر درمنثور جلد ششم صفحہ ۱۰۸)

اس کے بعد اگلی امتوں کے منکرین اور ان کا انجام بیان فرماتا ہے کہ

كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ یعنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرنے والے منکرین قریش سے پہلے ہم ایسے بہت سار دں کو ہلاک کر چکے ہیں جو قریش سے بہت زیادہ چیرہ دست اور سرکش تھے پھر ان کی کیا حقیقت ہے اگر یہہ ضد اور عناد سے باز نہ آئیں گے تو ان کا بھی وہی انجام ہوگا جو ان سے پہلے کے سرکشوں کا ہوا۔

اگلے سرکشوں کی ایک خصوصیت یہہ بیان فرمائی کہ فنقبوا فی البلاد یعنے انہوں نے شہروں کو چھان مارا اور دور دراز تک پہونچ گئے۔ چنانچہ امرؤ القیس کہتا ہے۔

لقد نقبت فی الافاق حتی ؛ رضیت من الغنیمۃ بالایاب

حضرت ابن عباسؓ سے فنقبوا فی البلاد کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ (ھربوا بلغۃ الیمن) یعنے یمن کی زبان میں اس کے معنی بھاگنے کے ہیں پھر آپ سے سوال کیا گیا کہ کیا عرب اس لفظ کے اس معنی سے واقف ہیں تو آپ نے عدی ابن زید کا یہہ شعر پڑھا۔

نقبوا فی البلاد من حذر الموت وجالوا فی الارض ای مجال

حاصل یہہ کہ اگلی امتوں کے سرکش جوان قریش سے بھی زیادہ سخت تھے انہوں نے بہت سے شہر چھان مارے مگر ان کو کہیں پناہ نہ ملی اور وہ خدا کی گرفت سے نہ بچ سکے۔

ھل من محیص ۰ کی تفسیر میں قاضی شوکانی لکھتے ہیں کہ ان کو بھاگ جانیکے لئے کوئی جگہ نہیں اور نہ خدا کے عذاب سے کہیں چھٹکارا مل سکتا ہے۔ اس میں اہل مکہ کو ڈرایا گیا ہے کہ وہ اگلے منکرین کے انجام سے عبرت حاصل کریں کہ ان کو موت و عذاب سے پناہ کی جگہ نہ ملی۔ وہی انجام ان کے بھی سامنے ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِیْدٌ

یعنے قریش سے پہلے اور اگلی امتوں کے جن لوگوں کو اللہ تبارک و تعالی نے

ہلاک کیا ان کا انجام عبرت و نصیحت ہے مگر اسی شخص کیلئے جس کے سینہ میں دل ہو۔ قاضی شوکانی لکھتے ہیں کہ قلب سے مراد عقل ہے۔ فراء کا قول ہے کہ عربی میں یہہ جائز ہے کیونکہ عرب جب کسی کو یہہ کہتے ہیں کہ "مالك قلب وما قلبك معك" تو اس سے ان کی مراد یہہ ہوتی ہے کہ تجھے عقل نہیں ہے یا تیری عقل تیرے ساتھ نہیں۔ اس کا مطلب یہہ ہوا کہ اگلی امتوں کے منکرین کے قصہ سے وہی شخص عبرت حاصل کرسکتا ہے جس کو عقل ہے۔ مگر قلب سے عقل مراد نہ لیجائے بلکہ اس کے عام معنی دل ہی لئے جائیں۔ تب بھی اس کے مطلب میں کوئی فرق نہیں پڑتا بلکہ اس کا ماحصل یہہ ہوگا کہ اس نصیحت کا اثر قلب سلیم پر ہوگا یعنے اُس دل پر اس کا اثر ہوگا جو ضد اور عناد سے خالی اور اُس کے اندر خدا کی طلب و جستجو باقی ہو۔ اس ہدایت سے ایسا شخص بھی فائدہ حاصل کرسکتا ہے جو امور دنیوی میں مشغول ہوکر کبھی حق کی تلاش و طلب تو نہ کی مگر اس کا دل ضد اور عناد سے خالی ہے ایسے شخص کے سامنے جب حق پیش ہو اور وہ اس کو توجہ سے سنے اور اُس کو سمجھے تو ایسا شخص بھی اس ہدایت سے فائدہ حاصل کرسکتا ہے کیونکہ کسی بات کو سننے کے دو طریقے ہوتے ہیں ایک سمعِ قبول جیسے شاگرد استاد کی

اور مرید اپنے مرشد کی اور سعادتمند فرزند اپنے والدین کی بات سنتا ہے۔

دوسرے سمع رد۔ جیسے دفاتر کے اجلاس پر ایک فریق کا وکیل دوسرے فریق کے وکیل کی بحث سنتا ہے اور پوری توجہ سے سنتا ہے مگر جس غرض سے سنتا ہے وہ ظاہر ہے بھلا ایسی سمع رد کسی انسان کو کیا فائدہ پہونچا سکتی ہے۔ کیونکہ فائدہ حاصل کرنیکے لئے تو سمع قبول کی ضرورت ہے۔ اور یہاں بھی سمع قبول مراد ہے۔

اس کے بعد پھر آیاتِ قدرت کا بیان ہے کیونکہ خدا ان آنکھوں سے نہیں دکھائی دیتا مگر اس کی قدرت کی نشانیاں تو ہر وقت انسان کے سامنے ہیں جو اس کی قدرت کا کمال اور اس کی وحدت و جلال کی ناقابل انکار شہادت دے رہی ہیں۔

فَفِی کُلِّ شَیْئٍ لَہٗ اٰیَۃٌ تَدُلُّ عَلٰی اَنَّہٗ وَاحِدٌ

وَلِلّٰہِ دَرُّ مَنْ قَالَ

برگ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

50-38 وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَہُمَا فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ
50-39 وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ۝ فَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ

40 رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ۚ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ

41 وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ۝ وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ۙ

42 يَّوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ ۝ اِنَّا نَحْنُ

43 نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَاِلَيْنَا الْمَصِيْرُ ۙ يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ۭ

44 45 ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ۝ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَآ اَنْتَ

عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۣ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ۝

ع ۱۲ ۱۷

اور ہم نے آسمانوں اور زمین اور ان دونوں کے درمیان جو (کچھ) ہے
(ان سب کو) چھ دن میں پیدا کیا اور ہمیں کوئی تکان نہیں ہوئی۔ وہ (کافر)
جو کچھ کہتے ہیں اس پر صبر کیجئے اور اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ
تسبیح کیجئے سورج نکلنے سے پہلے اور ڈوبنے سے پہلے۔ اور رات کے
کچھ حصے میں (بھی)، سجدے کے بعد اس کی تسبیح کیجئے اور سن لیجئے (کہ) اس
دن پکارنے والا نزدیک کی جگہ سے پکارے گا۔ اس دن وہ سنیں گے
سخت آواز برحق وہ ان کے (قبروں سے) نکلنے کا دن ہے بیشک
ہم جلاتے ہیں اور مارتے ہیں اور (سب کو) ہمارے ہی طرف واپس
آنا ہے جس روز زمین ان پر سے پھٹ جائے گی۔ وہ دوڑتے ہونگے

یہہ جمع کرنا ہمیں آسان ہے۔ وہ جو کچھ کہتے ہیں ہم (اس کو) خوب

جانتے ہیں۔ آپ ان پہ جبر کرنے والے نہیں ہیں۔ جو شخص عذابِ وعدہ سے

ڈرتا ہے بس اس کو قرآن سے نصیحت کیجئے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ

ہم نے زمین و آسمان اور ان دونوں کے درمیان جو کچھ کائنات ہے یہہ سب چھ دن میں پیدا کیا۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ چھ دن سے چھ اطوار (یعنے مراتب تکوینی) مراد ہیں کیونکہ دن سے یہاں وہ مراد نہیں لی جاسکتی جو عام طور پر زبان میں رائج ہے کہ اس لئے کہ دن کا اطلاق عموماً اس وقت پر ہوتا ہے جو زمین پر آفتاب نکلنے سے غروب تک ہے۔ اور حالانکہ آسمان پیدا ہونے سے پہلے سورج و چاند ہی نہ تھے تو پھر اس معنی کے لحاظ سے اس پر دن کا اطلاق کیسے ہوسکتا ہے مگر بول چال میں بھی کبھی دن کہکر وقت مراد لیتے ہیں۔ جیسے یہہ کہا جاتا ہے کہ جس دن بادشاہ کو بچہ ہوگا تو بڑی خوشی ہوگی۔ یا یوں کہا جاتا ہے کہ جس دن فلاں شخص مرجائیگا تو بہت رنج و غم ہوگا۔ اگرچہ ہوسکتا ہے کہ یہہ ولادت یا موت رات میں واقع ہو۔

اس سے کسی شخص کی مراد وہی معینہ اور مقررہ وقت نہیں ہوتی بلکہ
مراد محض وقت ہے۔ دن کے عام معنی نہیں۔ اس سے
معلوم ہوگیا کہ دن کی اضافت افعال کی طرف کیونکر ہوتی ہے۔ بس اسی
طرح اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو بھی سمجھ لو کہ یہاں دن سے کیا مراد ہے۔
وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ اس آیت کی شان نزول میں واحدی نے
دو روایتیں لکھی ہیں ایک روایت حسنؒ اور قتادہؒ سے ہے کہ یہود نے
کہا کہ اللہ نے مخلوق کو چھ دن میں پیدا کیا۔ اور ساتویں دن آرام لیا اور یہ
ہفتہ کا دن ہے اس لئے شنبہ کو وہ راحت کا دن کہتے ہیں خدا نے ان کے
جواب میں یہ آیت نازل فرمائی۔ دوسری روایت حضرت ابن عباسؓ
سے یہ ہے کہ یہود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے
اور آسمان و زمین کی پیدائش کے متعلق آپؐ سے سوال کیا تو آپ نے
فرمایا کہ زمین کو اللہ نے یکشنبہ و دوشنبہ کو پیدا فرمایا سہ شنبہ کو پہاڑ پیدا
کئے اور چہارشنبہ و پنجشنبہ کو آسمان پیدا کئے اور جمعہ کے دن تارے
سورج اور چاند پیدا کئے۔ یہود نے کہا پھر اس کے بعد کیا ہوا تو آپ نے فرمایا کہ
ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ تو انہوں نے کہا کہ اگر آپ اس بات کو پوری کر لیتے

پھر اس نے آرام لیا تو بہتر ہوتا۔ یہہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت غضبناک ہوئے تو یہہ آیت نازل ہوئی کہ ولقد خلقنا السموات والارض وما بینہما فی ستۃ ایام وما مسنا من لغوب (اسباب النزول للواحدی صفحہ ۲۹۷)

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ ۝ یعنے خدا اپنے حبیبؐ پاک کی تسلی کیلئے فرماتا ہے کہ یہود کے ان باطل عقیدوں اور کلمات کفر پر آپ صبر و سکون سے کام لیجئے آپ نے اللہ کا پیام پہونچا دیا اگر اس پر بھی یہہ اپنے باطل عقیدوں سے باز نہیں آتے تو اس کی ذمہ داری خود انہیں پر ہے اور وہ اپنی نالائقیوں کا خمیازہ بھگتیں گے۔ پس اب خدا کی حجت تمام ہوگئی۔ ان کو چھوڑ کر آپ اپنے خدا کی طرف متوجہ ہوں۔

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ۝

سورج نکلنے اور ڈوبنے سے پہلے اپنے پروردگار کی تسبیح و تعریف کیجئے تسبیح کے معنی پاکی بیان کرنے کے ہیں جس کا مطلب یہہ ہوا کہ یہود نے اللہ کی شان میں جو نامناسب بات کہی اس کا اثر خدا پر نہیں پڑتا بلکہ اس کا اثر خود انہیں پر پڑے گا۔ کیونکہ اللہ ہر عیب سے پاک و بے عیب ہے۔

"قبل طلوع الشمس وقبل الغروب" کی تفسیر میں قاضی شوکانی لکھتے ہیں کہ اس سے مراد فجر و عصر کا وقت ہے اور اس سے نماز فجر اور نماز عصر بھی مراد لیگئی ہے۔ بعض لوگوں نے اس سے پانچوں نمازیں مراد لی ہیں اور بعض یہہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہہ ہے کہ دو رکعتیں سورج نکلنے سے پہلے اور دو رکعتیں سورج غروب ہونے سے پہلے۔

اس کی تفسیر میں حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ معراج سے پہلے فرض نمازیں دو ہی تھیں۔ ایک نماز سورج نکلنے سے پہلے فجر کے وقت اور دوسری نماز سورج ڈوبنے سے پہلے عصر کے وقت۔ رات کا قیام نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی امت پر سال بھر تک واجب رہا پھر اس قیام لیل کا وجوب امت کے حق میں منسوخ ہو گیا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں باقی رہا پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے شب معراج میں پانچ نمازیں فرض فرما کر ان سب کو منسوخ کر دیا۔ مگر صبح اور عصر کی نماز بھی انہیں پانچ فرض نمازوں میں داخل ہیں اور یہی دو نمازیں آفتاب کے طلوع و غروب سے پہلے پڑھی جاتی ہیں۔

وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ | کے متعلق دو قول ہیں مجاہد حضرت ابن عباس رضی

سے روایت کرتے ہیں کہ اس سے مراد نماز کے بعد کی تسبیح ہے۔ اس قول کی تائید صحیحین یعنے بخاری و مسلم سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت ابوھریرۃ رض سے یہہ روایت ثابت ہے کہ آپ سے غریب لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اہل ثروت کو بڑے مدارج اور اخروی نعمتیں حاصل ہونگی کیونکہ ہماری طرح وہ بھی نماز پڑھتے اور روزہ رکھتے ہیں اس کے علاوہ وہ صدقہ بھی دیتے ہیں اور ہم صدقہ نہیں دیتے۔ وہ غلاموں کو بھی آزاد کرتے ہیں اور ہم آزاد نہیں کرتے تو اس کے جواب میں آپ نے اُن کو یہہ تعلیم دی کہ ہر نماز کے بعد سبحان اللہ۔ الحمد للہ۔ اور اللہ اکبر تینتیس تینتیس بار کہا کریں پھر تم سے افضل کوئی نہ ہوگا سوا اس شخص کے جو تمہاری طرح یہی عمل کرے۔ حضرت ابوہریرۃ رض فرماتے ہیں کہ پھر ان لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہمارے مالدار بھائیوں کو بھی ہمارے اس عمل کا علم ہوگیا اور وہ بھی ہماری طرح عمل کرنے لگے اس پر آپ نے فرمایا کہ ذٰلك فضل اللہ یؤتیه من یشاء

دوسرا قول یہہ ہے کہ ادبار السجود سے مراد مغرب کے بعد کی دو رکعتیں ہیں یہہ روایت حضرت عمر رض اور سیدنا حضرت علی اور آپکے صاحبزادے حضرت سیدنا امام حسن رض اور ابن عباس رض۔ ابوہریرۃ رض اور ابو امامۃ رض رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

مجاہدؒ۔ عکرمہؒ۔ شعبیؒ۔ نخعیؒ۔ حسنؒ اور قتادہؒ وغیرہ بھی اسی کے قائل ہیں۔
ہمارے امام سیدنا احمد بن حنبلؓ نے وکیعؒ اور عبدالرحمنؒ سے اور ان دونوں نے
حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے یہہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
فجر و عصر کے سوا ہر فرض نماز کے بعد دو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے۔ اس حدیث
کو ابوداؤدؒ اور نسائیؒ نے سفیانؒ ثوری سے روایت کیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ
فرماتے ہیں کہ میں نے ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں
گزاری آپ نے فجر سے پہلے دو ہلکی رکعتیں پڑھیں پھر مجھ سے فرمایا کہ اے
ابن عباس رکعتین قبل صلوٰۃ الفجر ادبار النجوم و رکعتین بعد المغرب
ادبار السجود۔ حضرت ابن عباسؓ کا اپنی خالہ میمونہؓ کے گھر میں رات گزارنا
اور اس رات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تیرہ رکعت پڑھنا صحیحین وغیرہ
سے ثابت ہے۔ مگر یہہ زیادتی غریب ہے (تفسیر ابن کثیر)
وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيبٍ اور سن لیجئے کہ اس دن
پکارنے والا نزدیک کے مکان سے پکارے گا اس کی تفسیر میں قاضی
شوکانی کہتے ہیں کہ احوال قیامت کی جو وحی آپؐ پر نازل کیجا رہی ہے
اس کو سنئے اور تفسیر مدارک میں لکھا ہے کہ وفی ذالک تہویل و تعظیم لشان المخبر به

یعنے اس سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے شان رسالت کی ہیبت وعظمت کا ظاہر کرنا مقصود ہے جن کو واقعات قیامت کی خبر دیجارہی ہے۔ اور ندا سے یہاں صیحۃ القیامۃ ہے یعنے صور اسرافیلؑ کا نفخۂ ثانیہ مراد ہے۔

مقاتلؒ کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہہ ہے کہ اسرافیلؑ حشر کے لئے پکارینگے کہ لوگو حساب کے لئے آؤ۔

مکان قریب سے صخرہ بیت المقدس مراد ہے۔

یَوْمَ یَسْمَعُوْنَ الصَّیْحَۃَ بِالْحَقِّ اس روز وہ سنیں گے سخت آواز برحق یعنے وہ آواز اس طرح کی ہوگی کہ اہل محشر کا ہر فرد اسکو صاف سن لیگا۔

ذٰلِكَ یَوْمُ الْخُرُوْجِ ۝ یہہ دن قبروں سے نکلنے کا دن ہے جو کسی کے ٹالے نہیں ٹل سکتا۔ اُس وقت ایمان وانکار دونوں کا نتیجہ معلوم ہو جائیگا۔ وہ لوگ خوش نصیب ہیں جنہوں نے خدا اور اس کے رسولؐ اور اس دن پر ایمان لائے۔ اپنے گناہوں سے توبہ کی پھر اس توبہ کی حفاظت کی اور اچھے کام کئے تاکہ خدا کے سامنے سرخ روئی نصیب ہو۔

اِنَّا نَحْنُ نُحْیٖ وَنُمِیْتُ یعنے آخرت میں حساب وکتاب کیلئے زندہ کرنیوالا

اور اس دنیا میں موت دینے والا صرف خدا ہے اس مارنے اور
جلانے میں بھی کوئی اس کا شریک و مددگار نہیں۔

وَاِلَیْنَا الْمَصِیْرُ پھر جی اٹھنے کے بعد سب کو خدا ہی کے سامنے حاضر ہونا
ہے جہاں ہر شخص کو خدائے تعالیٰ اس کے عمل کا بدلہ دیگا۔

یَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا

روز حشر کی تفصیل یہ ہے کہ اس دن زمین شق ہو جائے گی اور سب لوگ
قبروں سے نکلکر حساب و کتاب کیلئے خدا کے سامنے حاضر ہونگے۔ حافظ
ابن کثیر کہتے ہیں کہ اللہ عزوجل آسمان سے پانی برسائے گا جس کے
اثر سے قبروں کے اندر سارے اجساد اس طرح نکل آئیں گے جیسے
گیلی مٹی میں پانی کے اثر سے دانہ اگتا ہے۔ اور جب یہ اجساد مکمل
ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت اسرافیل کو صور پھونکنے کا حکم دیگا
اور صور کے سوراخوں میں لوگوں کی روحیں محفوظ ہونگی جیسے ہی اسرافیل
صور پھونکیں گے روحیں فضا میں نکل پڑیں گی اور ان کو خدا کا حکم ہوگا
کہ ہر روح پہلے جس جسم میں تھی اس میں چلی جائے۔ لہذا ہر روح اپنے
جسم میں اس طرح چلی جائے گی جس طرح ایک (لدیغ) بچھو کاٹے ہوئے

شخص کے جسم میں زہر سرایت کرجاتا ہے۔ اس کے بعد اُن پر کی زمین پھٹ جائے گی اور وہ اس جگہ کی طرف دوڑیں گے جہاں اعمال کا حساب ہوگا۔

ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ یعنے اُن لوگوں کا قبروں سے اٹھانا اور حساب کتاب کیلئے سب کو ایک جگہ جمع کرنا اللہ کیلئے کچھ مشکل کام نہیں بلکہ آسان ہے۔

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ یعنے کفار مکہ جو آپ کو جھٹلا رہے ہیں اور بعث وتوحید کا جو انکار کر رہے ہیں اسے ہم خوب جانتے ہیں۔ اس انکار وتکذیب سے نہ تو خدا کا کچھ نقصان ہے اور نہ اس کے رسول کا کچھ بگڑتا ہے بلکہ اس کا انجام خود انہیں کے حق میں بُرا اور بہت بُرا ہوگا۔

وَمَا اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ آپ کا کام صرف پیام پہونچا دینا ہے ان کو اس پیام کے قبول کرنیکے لئے مجبور کرنا نہیں ہے۔

فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ

جو شخص عذاب کے وعدہ سے ڈرتا ہے اس کو قرآن سے نصیحت کیجئے یعنے جو شخص خدا کے پیغام کو غور سے سنے خدا اور اُسکے رسول پر ایمان لائے

نزول قرآن سے پہلے عرب کی اخلاقی حالت

قیامت اور حساب و کتاب کا یقین کرے اور عذاب آخرت سے ڈر کر نجات کا طالب ہو تو اس کو قرآن سے ہدایت کیجئے کیونکہ موسیٰ و عیسیٰ کی شریعتیں منسوخ کر دیگئیں اب آپ کی شریعت دنیا میں بھیجی گئی ہے پس نجات کا راستہ اسی کتاب سے معلوم ہوگا یعنے جو شخص اس کتاب پر ایمان لائے اور اس کے احکام پر عمل کرے اور اس کتاب میں جن امور سے منع کیا گیا ہے ان سے پرہیز کرے پس وہی مستحق نجات ہے۔ اور جو اس پر ایمان نہ لائے اور اس کے اوامر و نواہی پر عمل نہ کرے وہ مستوجب نار ہے۔

اس کتاب کے نزول سے پہلے عرب کی حالت پر نظر ڈالو تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف شرک و بت پرستی میں مبتلا تھے بلکہ ان کی اخلاقی حالت بھی نہایت خراب و ابتر تھی۔ ان کی شاعری ان کے کردار کا آئینہ ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ تمام عیوب جو ایک انسان کو حیوان سے بھی بدتر بنا دیتے ہیں۔ جیسے شراب خواری۔ زنا۔ جوا۔ چوری۔ قتل و غارت گری۔ لوٹ و رہزنی۔ یہہ ایسی برائیاں ہیں جن کو ہر برے سے برا آدمی بھی چھپانا چاہتا ہے مگر یہہ شعراء جاہلیت ان پر فخر و ناز کرتے ہیں۔

جوں ہی یہہ کتاب نازل ہوی عرب کی کایا پلٹ گئی اور وہی عرب جو ننگ انسانیت تھے یکایک مصلح عالم اور نمونۂ انسانیت بن گئے۔

سیاسی حیثیت سے بھی دنیا میں ان کا کوئی مقام نہ تھا مگر اسی کتاب کی بدولت یورپ و ایشیا کی دو بڑی بڑی سلطنتیں ان کے آگے جھک گئیں اور قیصر و کسریٰ کے تاج ان کے قدموں پر گر پڑے آج تمام دنیائے اسلام اور خصوصاً عرب میں جو قرآن حکیم کے اولین مخاطب ہیں ایک عام پریشانی پھیلی ہوئی ہے اور شور مچا ہوا ہے کہ مسلمان خواب غفلت سے جاگ اٹھے اور ان میں اپنی نکبت و ادبار کا احساس پیدا ہو گیا ہے۔ اور وہ اپنی کھوئی ہوی عظمت کو دوبارہ حاصل کرنا چاہتے ہیں مگر اس کے لئے جو قدم بھی وہ اٹھا رہے ہیں وہ غلط اٹھا رہے ہیں۔ ان کی ہر تدبیر الٹی پڑتی ہے۔ ہر کوشش ایک نئی گتھی کا اضافہ کر دیتی ہے کیونکہ ایک طرف تو وہ مغرب کے خوشنما پھندوں سے چھوٹنا چاہتے ہیں مگر اس کے لئے مغرب ہی کے طریقے اختیار کرتے ہیں جو کم از کم مسلمانوں کیلئے تو مفید نہیں ہو سکتے

وہ نئی نئی انجمنیں بناتے ہیں۔ پنڈال سجاتے ہیں۔ ان میں شاندار ڈائس کھڑے کرتے ہیں اور وہاں دھواں دھار تقریریں کرتے ہیں مگر ان کے مساجد و منابر سونے پڑے ہیں ان کے خطبے ایک رسمی چیز ہو کر رہ گئے ہیں وہ مفاد اجتماعی کیلئے چندے جمع کرتے ہیں ان کی حکومتیں ضروریات قومی کے لئے نئے نئے ٹکس لگاتی ہیں مگر کوئی بیت المال نہیں قائم ہوتا زکوٰۃ کی طرف اجتماعی توجہ نہیں ہوتی۔

جماعت افراد سے بنتی ہے اور تاوقتیکہ افراد کے کردار درست نہ ہوں۔ ان کی کوئی جماعت حقیقی معنی میں مفید و کار آمد نہیں ہو سکتی فرض کرو کہ اگر ایک ایسا تالاب بنایا جائے جس میں شہر بھر کی صرف گندی نالیوں کا پانی جمع ہوا کرے تو اس تالاب میں جتنا زیادہ پانی جمع ہوتا جائے گا اتنی ہی گندگی زیادہ ہوتی جائے گی اور اس کے اطراف و جوانب میں بدبو اور امراض پھیلنے لگیں گے۔ بس یہی حالت ہر اس جماعت کی ہے جس کے افراد کے کردار درست نہ ہوں اس لئے ایسی جماعتوں سے اصلاح کی توقع رکھنا ایک خیال خام ہے

لہذا ہمارا پہلا فرض اصلاح افراد ہونا چاہیئے۔

ہمارے سامنے اسلامی تاریخ ہے۔ اسلام کے شاندار روایات ہیں منزل مقصود بھی سامنے دکھائی دے رہی ہے۔ کامیابی انتظار کر رہی ہے۔ مگر حیرت ہے کہ ہم اس طرف توجہ نہیں کرتے۔ صراط مستقیم سے منہ موڑ کر ضالین کے راستہ پر چلنا چاہتے ہیں۔

حیرت ہے کہ اس کارزار عالم میں جن کو ہم اپنا حریف مقابل سمجھتے ہیں اپنی تنازع للبقاء میں بھی انہیں کا سہارا لیتے اور انہیں کی پیروی کرتے ہیں نیز ان کی سیاست سے نفرت کرنیکے باوجود ان کی ثقافت کے گرویدہ ہیں۔ اس غلط راستہ پر چل کر اگر ہم نے بالفرض کچھ دنیوی فائدہ حاصل بھی کرلیا تو بڑے گھاٹے میں رہے کیونکہ ہم مسلمان ہیں ہماری ہستی ہمارے دین سے جدا نہیں ؎

ترسم کہ بہ کعبہ نہ رسی اے اعرابی ؛ کیں رہ کہ تو میروی بہ ترکستان است

ایک مسلمان کی اصلاح کیلئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے فضل و کرم دو چیزیں عطاء فرمائی ہیں۔ ایک مکمل[۱] دستور العمل جس کا نام قرآن حکیم ہے اور ایک اس کا عملی نمونہ[۲] جن کا اسم مبارک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے

اور ہر مسلمان کی صلاح و فلاح دینی و دنیوی دونوں کا دار و مدار آپ ہی کی اتباع میں مضمر ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ اسی اتباع کی بدولت ہم کو خدا کی محبوبیت حاصل ہو سکتی ہے جس سے بڑھ کر دنیا و آخرت دونوں میں کوئی مرتبہ نہیں۔

ہمارے سلف صالحین کی ساری مادی و روحانی ترقیوں کا راز اسی اتباع میں مضمر ہے ہم نے اسی کی بدولت دنیا میں شان و شوکت حاصل کی تھی اور اسی کو چھوڑ کر آج ہر جگہ ذلیل و خوار ہیں ہم پہلے بھی اسی سے بنے تھے اور اب بھی اسی سے بنینگے چاہے آج اس کو اختیار کریں یا صدیوں ٹھوکریں کھانیکے بعد۔ الحاصل اس وقت انسان کو نجات کا راستہ بتانے والی بس ایک ہی آسمانی کتاب دنیا میں موجود ہے جو اس کو اپنا دلیل راہ بنائے اس کو قرآن جنت کی رہنمائی کرتا ہے اور جو اس سے روگردانی کرے قرآن اس کو دوزخ کی طرف ہانک دیتا ہے۔

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔